واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا
اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو
(آل عمران (۱۰۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ايما رجل قال لاخيه يا كافر فقد باء بها احد هما
جو شخص اپنے بھائی کو کافر کہے وہ کفران دونوں میں سے ایک پر پڑتا ہے
(حدیث متفق علیہ)

تحفظ ختم نبوت کا حقیقی داعی واحمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کا ترجمان

ماہنامہ

چودھویں صدی

دہلی

میں علی رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ کوئی پرانا نہ نیا۔ (فرمان مجدد صد چہار دہم)

مدیر
ممتاز عالم

مدیر اعزازی
عبد الغفار

فی شمارہ ۱۰ روپے

سالانہ چندہ۔ ۱۰۰ روپے بیرون ملک ۱۰ پونڈ۔ ڈالر امریکن ۱۲ ڈالر

جلد نمبر ا	فروری / مارچ ۲۰۰۱ء مطابق محرم الحرام ۱۴۲۲ھ	شمارہ نمبر ۱۲۔ ۱۳

اس شمارے میں

۱۔ اداریہ
۲۔ خدا کی راہ میں اپنی زندگیاں وقف کرو
۳۔ فرائض اسلام میں حج کی اہمیت
۴۔ خانۂ خدا "کعبہ" اور "حجر الاسود" کی تاریخی پس منظر پر ایک دلچسپ و معلوماتی بحث
۵۔ تہوار اسلام میں عید الاضحیٰ (احکام و مسائل)

کلام حضرت مسیح موعود

ہم تو رکھتے ہیں مُسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلیں
شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاک راہِ احمدِ مختار ہیں
سارے حکموں پر ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پر قربان ہے
دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

www.aaiil.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

قارئین حضرات! السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

یہ مقدس مہینہ عیدالاضحیٰ کا ہے جیسے عید قربان بھی کہتے ہیں قربانی لفظ قرب سے مشتق ہے۔ اصطلاحاً قربانی مقصد کے قریب ہونے کا ذریعہ ہے قوم کے سچّے لیڈروں کی اور پیغمبروں ومجددوں کی مقدس زندگیوں پر غور کریں تو پتہ چلتاہے کہ جس نے قوم کی خدمت ہمدردی اور راہنمائی میں جس قدر زیادہ تکلیفیں برداشت کیں اس قدر اس نے زیادہ عزت واعتبار اور قبول عام حاصل کیا۔ ہر مقصد کے لئے قربانی کی شکل وصورت علیحٰدہ علیحٰدہ ہے ہر قربانی کے لئے موقعہ ومحل وقت اور مقام کالحاظ ضروری ہے۔

قدیم زمانے سے جانی قربانی کارواج چلا آتاہے بلکہ اس رواج میں بے راہ روی یہاں تک پہنچی کہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر پتھر کی بے جان مورتیوں کے سامنے اشرف المخلوقات انسان کوذبح کیا جاتارہاہے۔

لیکن دنیا کے موحدِ اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کوذبح کرنے پر مخلصانہ آمادگی اور پھر ذبح کرنے کاواقعہ نے عملاً اور نتیجۃً ثابت کر دیا کہ خدا کی راہ میں قربانی کی صحیح صورت یہی ہے کہ وقت کے تقاضے کے مطابق اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے خدا کی راہ میں انسانی جان قربان کی جائے۔ ہاں مظلوموں کی اعانت حق کی حمایت اور دین فطرت کی نشرواشاعت کے اعلیٰ مقصد میں اگر حالات تقاضہ کریں تو مسلمان کا اپنے قیمتی خون سے میدان جنگ کی سرزمین کورنگین کرنا مباح ہی نہیں بلکہ احب الاعمال (تمام اعمال سے بہترعمل) قرار پائے گا کیوں کہ یہ اس قربانی کا موقع ومحل وقت اور مقام ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے عدیم النظیر جذبہ ایثار وقربانی کو کلام پاک میں ذبح عظیم کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اسی یاد کو تازہ کرنے کی غرض سے ہر سال عیدالاضحیٰ کا تہوار منایا جاتا ہے اس تہوار کا مقصد مسلمانوں کو یاد دلانا ہے کہ جس چیز پر اسلام کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں وہ حکم خداوندی کی بجاآوری رضائے الٰہی کی اطاعت اور قربانی ہے۔

اللہ کے لئے قربانی ملت ابراہیمی کی روح ہے یہ قربانی زندگی کے ہر ہر موڑ اور ہر ہر گوشہ میں ہے قربانی ہی یہ طرۂ امتیاز ہے جس نے ابراہیمؑ کو خلیل اللہ بنایا۔

حضرت زیدبن ارقمؓ (صحابی) سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ (عید کی) قربانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

یہود ونصاریٰ خاص طور پر عیسائی پادری حضرات ہمیشہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کی نبوت وقربانی کے منکر ہیں۔ اور وہ ذبیح حضرت اسمٰعیل کے بجائے حضرت اسحاق علیہ السلام کوتسلیم کرتے ہیں۔ اور اکثر مسلمانوں سے اس بارے میں بحث کرتے ہیں کہ قربانی بائبل کے مطابق تو اسحاقؑ کی ہے نہ کہ اسمٰعیلؑ کی حالانکہ یہ انکی سراسر متعصبانہ ذہنیت تنگ نظری اور گمراہی کا ثبوت ہے اوّل تو یہ نبوّت حضرت اسحاق کی اولاد میں محصور رکھنا چاہتے ہیں۔

اور بنی اسرائیل ہی کو نبوّت ورسالت کا حقدار سمجھتے ہیں پھر محرّف بائبل کی بنیاد پر قربانی کاواقعہ حضرت اسحاق سے منسوب کرتے ہیں لیکن اگر تحقیق کی نظر سے قرآن اور بائبل کے بیانات کا مطالعہ کریں تو بلاشبہ قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ سورہ الصفّٰت آیت ۱۰۰ تا ۱۱۳ میں اپنے وطن سے ہجرت کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ نے ایک صالح بیٹے کے لئے دُعا کی تھی اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی واضح رہے کہ یہ دُعا اس وقت کی گئی جب آپ بے اولاد تھے اور بشارت جس لڑکے کی دی گئی تھی وہ آپ کا پہلوٹھا بیٹا تھا۔ پھر قرآن میں بیان ہے کہ وہی بچّہ جب باپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہوا تو اسے ذبح کا اشارہ فرمایا گیا۔ چنانچہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پہلوٹھے بیٹے اسمٰعیلؑ تھے نہ کہ اسحاق سورہ ابراہیم میں بھی حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادوں اسمٰعیلؑ اور اسحاق نام بالترتیب مذکور ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ الزاریات اور سورہ الحجر میں حضرت اسحاق کے لئے غلام علیم (یعنی علم والے لڑکے) کے الفاظ استعمال ہوئے جبکہ سورہ الصفت میں جس لڑکے کی بشارت دی گئی ہے اس کے لئے غلام حلیم (بردبار لڑکے) کے الفاظ آئے ہیں اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دونوں لڑکوں کی دو نمایاں صفات الگ الگ تھیں اور ذبح کا حکم علیم کے لئے نہیں بلکہ غلام حلیم کے لئے تھا اللہ تعالیٰ سارا قصہ بیان کرنے کے بعد آخر میں فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسحاقؑ کی بشارت دی ایک بنی صالحین میں ہے اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی بیٹا نہیں ہے جسے ذبح کرنے کا اشارہ کیا گیا بلکہ پہلے کسی اور بیٹے کے بشارت دی گئی ہے بائبل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی قربانی مانگی تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اکلوتے تھے (ملاحظہ کتاب پیدائش ۲۲: ۱۔۲) جبکہ بائبل ہی کہ دوسرے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاقؑ اکلوتے نہ تھے ایک جگہ لکھا ہے کہ ابرام کو ملک کنعان میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اس کی بیوی سارہ نے مصری لونڈی

اسے دی کہ اس کی بیوی بنے اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی "اسی آیت میں اس سے قبل لکھا ہے کہ ابرام کی بیوی سارہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور سارہ نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اس سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے سارہ کی بات مانی۔ (ملاحظہ ہو کتاب پیدائش ۱۶: ۱۔۳) پھر اسی آیت میں آگے لکھا ہے خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسمٰعیل رکھنا (۱۶: ۱۱) جب ابرام سے ہاجرہ کے ہاں اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔" (۱۶: ۱۶)

"اور خداوند نے ابرام سے کہا کہ سارہ جو تیری بیوی...... اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا...... تو اس کا نام اسحاق رکھنا...... تب ابرام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو اور...... گھر کے سب مردوں کو لیا اور اسی روز خدا کے حکم کے مطابق ان کا ختنہ کیا ابرام ننانوے برس کا تھا" جب اس کا ختنہ ہوا اور جب اسمٰعیل کا ختنہ ہوا تو وہ تیرہ برس کا تھا۔" (پیدائش ۱۵: ۲۵)

"جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔" (پیدائش ۲۱: ۵)

مسیحی مبلغین کو معلوم ہونا چاہئے کہ چودہ برس تک تنہا حضرت اسمٰعیل ہی حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے اب اگر قربانی اکلوتے بیٹے کی مانگی گئی تھی تو وہ حضرت اسحاق کی نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیل کی تھی کیونکہ وہی اکلوتے تھے اور اگر حضرت اسحاق کی مانگی گئی تھی تو پھر یہ کہنا غلط ہے کہ اکلوتے بیٹے کی قربانی مانگی گئی تھی۔

ادھر بہر حال صدیوں سے اہل عرب میں بھی یہ بات مشہور تھی کہ قربانی کا واقعہ شام میں نہیں بلکہ مکۂ معظمہ کے مقام منیٰ میں پیش آیا تھا اس وقت سے نبی ﷺ کے زمانے تک مناسک حج میں منیٰ کے مقام پر قربانی کا عمل برابر جاری تھا اور رسول مقبول ﷺ نے بھی اس طریقے کو جاری رکھا اور آج تک جاری ہے۔

مسیحی حضرات یہ حقیقت سمجھ لیں کہ حضرت ابراہیم کی اس قربانی کے وارث بنی اسمٰعیل ہوئے نہ کہ بنی اسحٰق بنی اسحاق" میں ایسی کوئی رسم جاری نہیں ہوئی جس میں بحیثیت مجموعی بنی اسحاق قربانی کرتی ہو اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار کہتی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جامہ نبوت زیب تن کر کے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اپنے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام کو مختلف مقامات پر مامور کیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں مکۂ معظمہ کے مقام پر متعین کیا گیا جہاں پہلے سے عبادت گاہ کے آثار تھے دونوں باپ بیٹوں نے یہاں رہ کر بیت اللہ تعمیر کیا جو کہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اوّل ہی سے کعبہ کو دین حنیف یعنی اسلام کا مرکز تبلیغ و اشاعت قرار دیا گیا تھا اور اس کی غرض یہی رکھی گئی تھی کہ ایک خدا کے ماننے والے ہر سمت سے یہاں آکر جمع ہوا کریں یہی وہ اجتماع ہے جس کا نام حج رکھا گیا یہ اسلام کا پانچواں رکن ہے یہ اجتماع ہر سال ذی الحجہ کی ۹/ تاریخ کو خانہ کعبہ میں ہوتا ہے اور اس سے اگلے روز یعنی ۱۰/ ذی الحجہ کو دنیا کے باقی مسلمان عیدالاضحیٰ مناتے ہیں اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کی اس سنّت (قربانی) کا تعلق صرف مناسک حج سے تھا لیکن رسول اللہ نے یہی حج کے مخصوص دن (۱۰ ذی الحجہ یوم النحر) والی قربانی عید کی قربانی کے عنوان سے حج کے باہر بھی پابندی سے کی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ اُمت کی پوری دس سالہ امامت میں برابر قربانی کرتے رہے۔ (مشکوۃ باب فی الاضحیۃ) ان ہی صحابی سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عیدگاہ ہی پر قربانی (بھی) کیا کرتے تھے" (بخاری) حج والی قربانی کو حج سے باہر بھی جاری کرانے کا یہی فلسفہ ہے کہ استطاعت رکھنے والے مسلمانوں کو موقع دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں ہی پر رہتے ہوئے ابراہیم خلیل اللہ کی سنت قربانی کو ہر سال تازہ کریں مطلب یہ کہ حج کے علاوہ باقی لوگوں کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا دوسرے یہ کہ عرفات کا والہانہ اجتماع نماز عید کی تبادل شکل میں عطا کردیا تیسری آسان ترین چیز یہ عطا کی گئی کہ ۹/ ذی الحجہ سے ۱۳/ ذی الحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد اللہ کی تکبیر تحمید کا نعرہ **اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد** .... کا حکم فرمایا۔

چونکہ اسلام نے مساوات اتحاد اور اخوت باہمی پر خاص طور پر زور دیا ہے جس لئے اسلامی عبادتوں میں عام طور پر ایک قومی اجتماع کا رنگ نظر آتا ہے یوں تو مساوات کا سبق اسلام کی ہر عبادت میں دہرایا جاتا ہے لیکن حج کے موقع پر شاہ و گدا امیر و غریب دنیا کے ہر حاجی کا لباس یکساں ہوتا ہے اور کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ حج ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو عاقل و بالغ اور تندرست ہو۔ اہل و عیال کے اخراجات نکال کر اور حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والے پر حضور ﷺ نے سخت ناراضگی ظاہر فرمائی ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو نہ ظالم بادشاہ اسے حج سے روکے اور اس کی صحت بھی اچھی ہو اور حج نہ کرے تو اس کی موت یہودی یا نصرانی کی ہوگی۔

☆☆☆

از ملک ظفر اللہ خان صاحب

خدا کی راہ میں اپنی زندگیاں وقف کرو

حضرت اقدس کے ارشادات کی روشنی میں

واذقال له ربّه اسلم قال اسلمت لرب العٰلمين.

جب اس کے رب نے اسے اسلم کہا کہ تو فرمانبردار ہو جا تو ابراہیمؑ نے کوئی سوال کسی قسم کا نہ کیا اور نہ کوئی کیفیت دریافت کی کہ میں کس امر میں فرمانبرداری اختیار کروں بلکہ ہر ایک امر کے لئے خواہ وہ کسی رنگ میں دیا جائے اپنی گردن کو آگے رکھ دیا اور جواب میں کہا۔

اسلمت لرب العٰلمين۔ کہتے ہیں میں تو رب العالمین کا تابعدار ہو چکا۔ ابراہیمؑ کی یہی فرمانبرداری اپنے رب کے لئے تھی جس نے اسے خدا کی نظروں میں برگزیدہ بنادیا۔ پس وہ لوگ جو دنیا میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ غور کریں کہ خدا کی فرمانبرداری سے ابراہیمی مراتب حاصل کر سکتا ہے ہر قسم کی عزت ابراہیمؑ کو حاصل ہے اور یہ سب کچھ اسلمت کا نتیجہ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام۔ اسلام کیوجہ سے دنیا میں مکرم و معزز ہوئے اسلام ایک قوت ہے جب تک کوئی شخص نفسانی جذبات پر موت وارد کر کے نئی زندگی نہیں پاتا اور خدا ہی کے ساتھ بولتا، چلتا، پھرتا، سنتا، دیکھتا نہیں (مومن) نہیں ہوتا۔

اسلام، اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے۔

(مومن) وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے بدوں کسی امید پاداش کے من اسلم وجه لله فهو محسن یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اسکا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ مشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذّت اور حلاوت کی کشش ہو جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے۔

حقیقی (مومن) اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے یہ سمجھ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب و مولیٰ پیدا کرنے والا محسن ہے اسلئے اس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ ایک سچے (مومن) کو اگر کہا جائے کہ ان اعمال کے بدلے میں اسے کچھ نہ ملے گا اور نہ کوئی بہشت نہ دوزخ نہ آرام نہ لذت تب بھی وہ اپنے اعمال صالحہ اور محبت الٰہی کو ہرگز ہرگز چھوڑ نہیں سکتا کیونکہ اس کی عبادات اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت میں فنائیت اجر یا ثواب کی بنا اور امید پر نہیں بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی شناخت اور محبت و اطاعت کے لئے بنائی گئی ہے اور بجز اس کے کوئی مقصد اور غرض ہے ہی نہیں، اس لئے وہ اپنی تمام خداداد قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد کیلئے صرف کرتا ہے تو اسے اپنے محبوب حقیقی کا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ بہشت، دوزخ، عذاب اور ثواب پر اس کی نظر نہیں ہوتی۔ اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے پورا حصہ لے اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک عملی حصّہ میں کامل نہ ہو صرف زبان سے اسکا ثبوت نہیں مل سکتا مثلاً جس طرح کوئی شخص صرف مصری کا نام لیتے لیتے شیریں کلام نہیں ہوتا یا اگر زبان سے کسی شخص کی دوستی کا اعتراف کرے اور مصیبت اور وقت پڑ جانے پر اسکی امداد و دستگیری کرنے سے پہلوتہی کرے تو وہ دوست صادق نہیں ٹھہر سکتا اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا نرا زبانی اقرار ہو اور اسکے ساتھ محبت کا بھی محض زبانی اقرار موجود ہو تو اس کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ حصّہ زبانی اقرار کی بجائے عملی حصّہ زیادہ درکار ہے اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زبانی اقرار کوئی چیز نہیں میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگیاں وقف کرو اور یہی حقیقی (دین) ہے۔

پس جو شخص اس چشمہ کے قریب نہیں آتا جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لئے جاری کیا ہے وہ یقیناً بے نصیب رہتا ہے۔ اگر کچھ لینا ہے اور مقصد کو حاصل کرنا ہے تو طالب صادق کو چاہئے کہ وہ چشمہ کی طرف بڑھے اور آگے قدم رکھے اور اس جاری چشمہ کے کنارے پر اپنا منہ رکھدے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کے سامنے غیریت کا چولہ اتار کر آستانہ الوہیت پر نہ گر پڑے اور یہ عہد نہ کرے کہ خواہ دنیا کی وجاہت جاتی رہے اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو بھی وہ خدا کو نہیں چھوڑیگا۔ اور اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہی بڑا اخلاص تھا کہ خدا کی رضا کے لئے بیٹا قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

آج بھی ہو گر ابراہیم کا ایماں پیدا + آگ پیدا کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

فرائض اسلام میں حج کی اہمیت

(حج کے احکام و مسائل پر ایک مفصّل و مکمل بحث قرآن و حدیث کی روشنی میں)

از قلم حضرت مولانا محمد علیؒ صاحب لاہوری

حج لفظ کی لغوی معنے ہیں القصد للزیارۃ (راغب) یعنی کسی چیز کی زیارت کا قصد کرنا۔ اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنے ہیں ضروری عبادات کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کو جانا (اقامۃ للنسك) (راغب) بیت اللہ اُن ناموں میں سے ایک نام ہے جن سے خانہ کعبہ مشہور ہے۔ اور نسک کے معنے عبادت یا اطاعت کے ہیں۔ اور اس کی جمع مناسک عبادت کے اُن اعمال کے معنوں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے جو حج میں بجا لائے جاتے ہیں مناسک کے عنوان کے ماتحت ہی عام طور پر احکام حج احادیث نبویؐ میں بیان کئے گئے ہیں۔

اسلام کے حج اختیار کرنے پر اہل یورپ کا نقطۂ نظر

حج کا نظام ظہور اسلام سے پیشتر نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ یورپ کے موجودہ نکتہ چینوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام کا چند ایک اصلاحات کے ساتھ حج کو اختیار کرنا کئی ایک وجوہ پر مبنی تھا۔ جو حضرت نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے بعد معرضِ وجود میں آئیں۔ اُن میں سے ایک اہم وجہ بدر کے مقام پر اسلام کا فتح حاصل کرنا بیان کی جاتی ہے۔ جس کے متعلق اُن کا خیال ہے کہ اس سے حضور کو فتح مکہ کی اُمید بندھ گئی۔ اور دوسری وجہ بقول اُن کے یہود کے ساتھ آخری انقطاع تھا۔ جن کے متعلق ابتداء میں گویا حضور ﷺ کو توقعات تھیں کہ انہیں اپنے کام میں اپنے ساتھ ملا لیں گے۔ ہیوز اس نظریہ کو اپنی کتاب ڈکشنری آف اسلام میں زیر عنوان "کعبہ" بدیں الفاظ پیش کرتا ہے۔

"جب محمد (صلعم) نے اپنے آپ کو مستحکم پایا۔ اور مکہ اور اس کے تمام تاریخی مقامات کے حصول کے لئے اچھے حالات پیدا ہو گئے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یروشلم اور اس کی متبرک پہاڑی کا خیال ترک کر دیا اور بکہ کے گھر پر اس خیال سے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے بنایا گیا ہے نظر جمائی...... یہود کے متمرد اور سرکش ثابت ہونے پر اور اس امر کا بہت کم امکان ہونے کی وجہ سے کہ وہ انہیں اپنا وہ "نبی" تسلیم کر لیں گے، جس کا وعدہ موسیٰ نے دیا تھا تو انہوں نے اپنا قبلہ یروشلم سے مکہ کی طرف بدل لیا اور مکہ کے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع اور عبادت گاہ بنا دیا۔"

دوسرے یورپین مصنفین نے بھی اسی نظریہ کو پیش کیا ہے۔ اور حال ہی میں (A.J.Wensinck) اے۔ جے۔ ونسنک نے اسے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بیان کیا ہے۔ حج کے عنوان کے تحت وہ رقمطراز ہے:۔ "محمدؐ کو حج میں دلچسپی پہلے پہل مدینہ میں پیدا ہوئی اس کی کئی ایک وجوہ تھیں جیسا کہ سنوک ہرگونجے (Snouck Hur-gronje) نے اپنی کتاب Makkasusche.Feest میں ظاہر کیا ہے۔ جنگ بدر کی شاندار فتح نے فتح مکہ کے خیالات آپ کے دل میں پیدا کر دیئے۔ ایسے اقدام کی تیاریاں اسی صورت میں زیادہ کامیاب ہو سکتی تھیں کہ ان کے ساتھیوں کی دنیاوی اور مذہبی دلچسپیوں کو بیدار کیا جاتا۔ محمد ﷺ کو یہود سے متعلق جو توقعات تھیں وہ فریب دہ ثابت ہوئیں اور یہود کی معاہدہ شکنیوں نے ان کے ساتھ مذہبی قطع تعلق ناگزیر بنا دیا تھا۔ مذہب ابراہیمی کے عقیدہ کا آغاز اسی زمانہ کی پیداوار ہے جو یہودیت اور اسلام کا مبینہ اصل نمونہ ہے۔ کعبہ اب بتدریج مذہبی عبادات کا مرکز بنتا جا رہا ہے جو توحید کے باپ (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی مدد سے تعمیر کیا تھا۔ اور اب وہ بنی نوع انسان کے اجتماع کی جگہ بننے والا تھا اس زمانہ میں ہی کعبہ کو قبلہ بنایا گیا....... یہ سن دو ہجری کے حالات کا نقشہ ہے۔

بادی النظر میں یہ نظریہ بڑا مدلل اور معقول نظر آتا ہے مگر یہ واقعات تاریخ کے قطعاً خلاف ہے۔ غزوہ بدر رمضان کے مہینہ میں سن دو ہجری میں واقع ہوا۔ اور یہود کے ساتھ آخری تنازعہ غزوہ احد کے بعد سن تین ہجری میں ہوا حالانکہ کعبہ کو ہجرت سے سولہ ماہ بعد قبلہ بنایا جاچکا تھا۔ یعنی غزوہ بدر سے تقریباً تین ماہ قبل۔ وہ عمارت جو ہیوز (Hughes) ونسنک (Wensinck) اور ہرگونجے (Hurgronje) کے نظریہ کے مطابق فتح بدر اور یہود سے آخری انشقاق کی بناء پر کھڑی کی گئی تھی۔ ابو التوحید حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کو اسلام، یہودیت اور عیسائیت کے لئے بطور نمونہ عقیدہ بنانے کعبہ کے تقدس اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ اس کے تعلق۔ کعبہ کو قبلہ بنانے اور حج کو فتح مکہ کی اُمیدوں پر قائم کرنے کا خیال یہ سب کچھ نہ صرف غزوہ بدر بلکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے بھی پہلے موجود تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کے خالص توحید ہونے کا ذکر اس سورت میں آتا ہے جو مکی زندگی کے وسط میں نازل ہوئی...... جہاں حضرت ابراہیمؑ کو حنیف بھی فرمایا ہے:۔

انّ ابراہیم کانَ اُمّۃً قانتاً للہ حنیفاً ...... ثمّ اوحینا الیك ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا ط وما کان من المشرکین (سورہ نحل ۱۲۰ تا ۱۲۳)

ابراہیمؑ ایک امام ایک نمونہ تھا۔ اللہ کا فرمانبردار راست رو...... "پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم راست رو کے دین پر چل اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

اور پھر ایک دوسری سورت میں جو مکی زندگی کے آخری ایام سے تعلق رکھتی ہے فرمایا:۔

انّنی ھدٰنی ربّی الیٰ صراط مستقیم دیناً قیماً ملۃ ابراہیم حنیفاً وما کان من المشرکین (سورہ الانعام ۱۶۱)

"بے شک مجھ کو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی ہے دین صحیح ابراہیم راست رو کے مذہب کی (طرف) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ایسے فاضل مستشرقین ایسے بیّن تاریخی واقعات کو اپنے پسندیدہ غلط نظریہ کے لئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مکہ اور کعبہ کا تقدس ابتدائی وحی میں تسلیم شدہ تھا

علیٰ ہٰذا القیاس مکہ کا تقدس اور اس کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ناموں کے ساتھ تعلق مکہ کی ابتدائی وحی میں صریح الفاظ میں مذکور ہے۔ چنانچہ ایک نہایت ابتدائی سورت میں مکہ کو **ھذا البلد الامین** (سورہ التین۔۳) "یہ امن والا شہر" بیان کیا گیا ہے۔ ایک اور ایسی ہی ابتدائی سورت میں اس کو ایک خاص شہر قرار دے کر فرمایا:۔

لا اُقسم بھذا البلد o وانت حلّٗ بھذاالبلدo و والدٍ وما ولدo (سورہ البلد ۱۔۳)

"نہیں میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور تو اس شہر میں حرمت سے آزاد کیا گیا ہے اور باپ کی اور جو اس سے پیدا ہوا۔"

ان آیات کے آخری الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی زمانہ کی ایک وحی میں کعبہ کو بیت المعمور (الطور آیت ۴) کہا گیا ہے۔ جس کے معنے ہیں وہ گھر جس کی زیارت کی جائے۔ ایک اور ابتدائی مکی وحی میں مکہ کے متعلق المسجد الحرام کے الفاظ آتے ہیں یعنی مقدس مسجد مکہ کے تقدس کا ذکر اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں وسطی زمانہ کی مکی وحی میں آتا ہے:۔

انما امرت ان اعبدرب ھذہ البلدۃ الذی حرّمھا ولہ کل شیءٍ (سورہ النمل ۹۱)

مجھے صرف حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر چیز اسی کے لئے ہے۔

مکہ کے تعلق میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے اسمائے گرامی مکہ کا تقدس اور اس کا لوگوں کے لئے مرجع و مامن ہونا ان سب کا ذکر مکہ کی وسطی زمانہ کی وحی میں آتا ہے:۔

واذ قال ابراہیم ربّ اجعل ھٰذ البلد اٰمناً واجنبنی وبنی ان نعبد الا صنام...... ربنا انی اسکنت من ذرّیتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتك المحرم۔ ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃً من النّاس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات (سورہ ابراہیم ۳۵۔۳۷)

''اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔''

''ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں۔ ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو اُن کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے۔''

کعبہ کو ابتدا میں ہی قبلہ کیوں نہ بنا دیا گیا

بناء بریں جو نظریہ یورپین اہل علم نے قائم کیا ہے وہ محض بے بنیاد ہے۔ مکہ اور اس کی عظیم القدر مسجد کا تقدس اور اس کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے ناموں کا تعلق اور مکہ کے لوگوں کے لئے مرجع و مامن ہونا ابتدائی وحی میں بھی موجود ہے اور آخری وحی میں بھی۔ یہ درست ہے کہ کئی ایک اوامر و نواہی تدریجاً نازل ہوئے اور مکہ کو قبلہ بنانے کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔ لیکن یہ بھی غزوۂ بدر سے پہلے ہی واقعہ ہوا تھا۔ باوجود اُن سب بیانات کے جو قرآن مجید میں مکہ اور کعبہ کے تقدس کے متعلق ہیں...... باوجود اس امر کے کہ حج مسلمانوں پر حضرت نبی کریم ﷺ کے قیام مکہ کے آخری دنوں میں ہی فرض قرار دے دیا گیا تھا جیسا کہ ہم بعد میں ذکر کریں گے اور باوجود اس امر کے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی اپنی خواہش تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے۔ آپؐ نے نبی سابق کے قبلہ یعنی یروشلم کو ہی اپنا قبلہ بنائے رکھا اور خدا تعالیٰ کی وحی کا انتظار کرتے رہے۔ قرآن مجید نے تمام انبیاء کی صداقت کو تسلیم کیا ہے جن میں اسرائیلی نبی بھی شامل ہیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن میں سے آخری نبی تھے۔ اور اُن کا قبلہ بھی وہی انبیائے اسرائیل کا قبلہ یعنی یروشلم کا معبد تھا جس کا قرآن مجید میں بڑا احترام آیا ہے اور اسے **المسجد الاقصیٰ** فرمایا ہے۔ (جس کے لغوی معنے دُور کی مسجد ہیں) حضرت نبی کریم ﷺ نے جب تک صریح الفاظ میں مکہ کی مقدس مسجد کی طرف رُخ کرنے کا حکم نہ آیا اسی کو اپنا قبلہ بنائے رکھا۔ علاوہ ازیں آپ کو تحویل قبلہ کا حکم اس وقت نہیں ملا جب آپ مکہ میں مشرکین کے اندر رہتے تھے...... اس وقت یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپؐ عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کا منصوبہ کر رہے ہیں لیکن مدینہ میں آنے کے بعد جبکہ ابھی یہود کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم تھے جبکہ عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کی توقعات کا کوئی امکان نہ تھا اور جبکہ قریش کے ساتھ جنگ ناگزیر ہو چکی تھی حضرت نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ اب کعبہ کی طرف رُخ کریں اور کہ آئندہ دنیائے اسلام کا یہی قبلہ ہوگا۔ سولہ ماہ کے طویل عرصہ تک آپؐ مدینہ میں مکہ کی طرف جو مسلّمہ طور پر مقدس مقام ہے پُشت کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔ کیونکہ آپؐ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے۔ جونہی کہ آپ مدینہ میں تشریف لائے، آپؐ کو یہ دقت پیش آئی کہ جیسا کہ مکہ میں آپؐ کا طریق تھا یہاں دونوں مقامات یعنی **مسجد اقصیٰ** اور خانہ کعبہ کی طرف آپ رُخ نہیں کر سکتے تھے۔ آپؐ نے سمجھ لیا کہ دونوں میں سے ایک کی طرف رُخ کرنے سے دوسری طرف پُشت ہو گی اور اگرچہ آپؐ کی دلی تمنا تھی کہ مکہ کی متبرک مسجد ہی قبلہ ہو تاہم جب تک تحویل کا حکم خدائی طرف سے نہ آیا آپؐ نے نبی سابق کے قبلہ کی طرف اپنی پشت نہ کی۔

حج کب فرض کیا گیا

حج ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال قریش سے جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک مسلّمہ رکن قرار دیا گیا تھا۔ سورۃ البقرہ جو زیادہ تر پہلے اور دوسرے سال ہجری میں نازل ہوئی احکام حج سے مملو ہے۔ اس کی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ ابھی جنگ حقیقتاً شروع نہیں ہوئی تھی مگر اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔ جن مہینوں میں حج کیا جانا تھا ان کا ذکر اس طرح سے آتا ہے :۔

یسئلونك عن الاهلة ط قل هی مواقیت للناس والحج (سورۃ لبقرہ ۱۸۹)

''وہ تجھ سے ہلالوں کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو یہ لوگوں کے فائدہ کے لئے اور حج کے لئے مقرر وقت ہیں۔''

اور پھر فرمایا :۔

الحج اشهر معلومات (سورۃ لبقرہ ۱۹۷)

حج معلوم مہینوں میں کیا جاتا ہے۔

ان دو آیتوں کے درمیان جن میں **حج** کے مہینوں کا ذکر ہے وہ آیات آتی ہیں جن کے رُو سے مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت دی گئی، فرمایا :۔

وقاتلوافی سبیل اللہ الذین یقاتلو نکم (سورۃ البقرہ ۱۹۰)
"اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی تفاصیل اس وقت نازل ہو رہی تھیں جبکہ قریش سے جنگ کرنے کی ابھی اجازت ہی ملی تھی اور باقاعدہ لڑائی اس کے بعد شروع ہوئی۔ اس لئے حج کی تفصیلات غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ حج کی قواعد و آداب بھی انہی آیات میں بیان فرمادیئے گئے تھے۔

فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (سورۃ البقرہ ۱۹۷)
پس جس نے ان میں اپنے اُوپر حج لازم کر لیا تو حج کے اندر نہ فحش کلام ہو اور نہ گالی گلوچ اور نہ کوئی جھگڑا ہو۔"

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا ذکر اس سے بھی پہلی آیات میں آتا ہے:۔

انّ الصفا والمروۃ من شعآ ئر اللہ فمن حج البیت اواعتمرہ فلا جناح علیہ ان یطوف بھما (سورۃ البقرہ ۱۱۸)
"صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔"

یہ اس لئے فرمایا کہ اس وقت صفا اور مروہ پر دو بُت رکھے ہوئے تھے۔ عرفات اور مزدلفہ میں جانے کا ذکر بھی کیا گیا:۔

فاذا افضتم من عرفاتٍ فاذکرواللہ عند المشعر الحرام (سورۃ البقرہ ۱۹۸)
"پھر جب تم عرفات سے نکلو تو مشعر الحرام کے قریب اللہ کا ذکر کرو اور ادائے حج کے متعلق صریح حکم موجود ہے:۔

وا تموا الحج والعمرۃ للہ (سورۃ البقرہ ۱۹۶) اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو

حج کی یہ تفصیلات اس امر کا ثبوت ہیں کہ نظام حج کو پہلے سے ہی شریعت اسلامیہ کا ایک جزو قرار دیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ کہیں کہیں کوئی اِکّا دُکّا مسلمان جب کسی معاہدہ کی بناء پر اپنے آپ کو محفوظ پاتا **حج** ادا کر لیتا تھا مگر عام مسلمانوں کے لئے اس کا ادا کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ چنانچہ سعد بن معاذ کے متعلق ذکر آتا ہے کہ وہ اُمیہ ابن خلف کے ساتھ جو سرداران قریش میں سے تھا دوستی کی وجہ سے ہجرت کے بعد اور جنگ بدر سے پہلے عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ گئے اور وہاں ابو جہل سے ان کی بحث ہوئی جس کو اس نے دھمکی دی کہ ملک شام کے ساتھ قریش کی تجارت منقطع کر دی جائے گی۔ اگر اس وقت اسلام نے نظام حج کو اپنایا نہ ہوتا تو سعد ایسا ہرگز نہ کرتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حج کو ہجرت کے پہلے سال ہی میں ایک رکن تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی جب کہ حضرت نبی کریم ﷺ ابھی مکہ میں ہی تھے اسے فرض قرار دیا گیا تھا۔ سورۃ الحج حضرت رسول کریم ﷺ کی مکی زندگی کے خاتمہ کے قریب نازل ہوئی تھی اور اسی سورت میں حج کو اسلام کا ایک رکن قرار دیا گیا تھا۔

واذّن فی الناس بالحج یاتوك رجالاً وعلےٰ کل ضامرٍ یاتین من کل فج عمیق ٥ لیشھد وامنا فع لھم و یذکروا اسم اللہ فی ایامٍ معلوماتٍ علےٰ مارزقھم من بھیمتہ الا نعام فکلوا منھا واطعموا البائِس الفقیر٥ ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوانذورھم ولیطوّ فوا بالبیت العتیق۔ (سورۃ الحج ۲۷۔۲۹)
"لوگوں میں حج کے لئے پکار دے اور تیری طرف آئیں گے کچھ پیدل اور کچھ ہر طرح دُبلی سواریوں پر جو ہر دُور کے رستہ سے آتی ہوں گی۔ تاکہ اپنے فائدہ کی جگہوں پر حاضر ہوں اور مقررّہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر اس پر کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانور دئے ہیں سو ان سے کھاؤ، اور تکلیف والے محتاج کو کھلاؤ پھر چاہئے کہ اپنی میل کچیل اتاریں اور اپنی منتوں کو پورا کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں۔"

یہ آیات ذرا شبہ باقی نہیں رہنے دیتیں کہ حج کو ہجرت سے پہلے اسلامی رکن قرار دے دیا گیا تھا۔

ترک دنیا اور متاہل زندگی کا اختلاط

اسلام ترک دنیا کا ہر نوع سے مخالف ہے وہ رہبانیت کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور عیسائیوں کے عمل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:۔

ورھبانیة ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم...... (الحدید ۲۷)

ترجمہ: "اور رہبانیت انہوں نے خود نکالی ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا۔"

تاہم اسلام انسان کے روحانی ارتقا پر بہت زور دیتا ہے۔ اور اس کے چار بڑے اصول نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ انسان کی روزانہ زندگی میں ترک دنیا کا ایک سہل العمل ضابطہ ہیں۔ مگر یہ ایسی ترک دنیا ہے جو متاہل زندگی کے دوش بدوش چلتی ہے روزانہ پانچ نمازیں وقت کی کسی قدر قربانی چاہتی ہیں اور اس کی ہر روز کی زندگی میں مخل ہوئے بغیر انسان میں یہ صلاحیت پیدا کرتی ہیں کہ وہ خدا کو اپنے اندر محسوس کرنے لگ جائے۔ زکوٰۃ کے حکم کا یہ تقاضا ہے کہ انسان اپنے مال کا ایک قلیل حصہ غرباء کے لئے وقف کردے۔ بغیر اس کے کہ اس کے حقوق جائداد میں کوئی دخل دیا جائے۔ روزے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کھانا پینا ترک کردے لیکن ایسے طریق سے نہیں کہ اس کے روزانہ کام کاج میں حرج واقع ہو۔ صرف حج ہی ایک ایسا رکن ہے جس میں ترک دنیا ایک نمایاں صورت اختیار کرلیتی ہے کیونکہ حج کرنے والے کو سفر مکہؐ کے لئے کچھ دنوں تک اپنا روزانہ کام کاج چھوڑنا پڑتا ہے اور اس کے علاوہ زندگی کے دوسرے آرام کو بھی خیرباد کہنا اور کم وبیش ایک راہبانہ زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ مگر حج ایک ایسا فرض ہے جو انسان کو اپنی زندگی میں عموماً ایک دفعہ ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور اس لئے بحالیکہ یہ انسان کے لئے ایک نہایت مہتم بالشان روحانی تجربہ کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اس کی زندگی کی عام روش میں اس حد تک خلل انداز نہیں ہوتا جو درخور اعتنا ہو۔

حج سب کو ایک مساوی سطح پر کھڑا کرتا ہے

دنیا کسی ایسے مؤثر نظام کو پیش کرنے سے قاصر ہے جسے نسلی طبقاتی امتیازات کو ایک سطح پر لانے کے لئے حج جیسا حیرت انگیز کمال حاصل ہو۔ نہ صرف تمام نسلوں اور تمام ملکوں کے لوگ ہی خدا کے مقدس گھر کے سامنے اس کے عبادت گذار ہو کر ایک خدائی کنبہ کے افراد کی حیثیت میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام ایک ہی لباس (یعنی صرف دو سفید چادروں) میں ملبوس ہوتے ہیں اور کوئی بات ایسی نہیں رہ جاتی جس سے اعلیٰ اور ادنیٰ میں کوئی تمیز کی جاسکے ۔ یہ انسانوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے۔ سب کے سب بلا استثناء ایک ہی لباس پہنے ہوئے ایک ہی راستہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ اور سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ ہوتا ہے:۔

لبيك اللهم لبيك "یعنی اے خدا! ہم حاضر ہیں اے خدا! ہم تیری جناب میں حاضر ہیں۔"

یہ حج اور صرف حج ہی ہے جو اس چیز کو حیطہ امکان میں لے آتا ہے جو بصورت دیگر ناممکن محض نظر آتی ہے یعنی تمام لوگ خواہ وہ کسی طبقہ یا کسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہوں ان سب کو ایک ہی زبان بولنی اور ایک ہی لباس پہننا چاہئے۔ اس طرح ہر ایک مسلمان کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ مساوات کے اس تنگ دروازہ میں سے گذرنا پڑتا ہے۔ جو وسیع انسانی برادری کی طرف لے جاتا ہے۔ تمام انسان پیدائش اور موت میں برابر ہیں، وہ ایک ہی راستہ سے آتے ہیں اور ایک ہی رستہ سے جاتے ہیں لیکن صرف حج ہی ایک ایسا موقعہ ہے جس میں ان کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ہی طریق سے زندگی بسر کرسکتے ہیں کس طرح ایک ہی طریق سے عمل کرسکتے ہیں اور کس طرح ایک ہی طریق سے محسوس کرسکتے ہیں۔

ایک اعلیٰ اور ارفع روحانی تجربہ

یورپین مصنفین حج کی کیفیات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے صرف ظاہری اعمال پر ہی توجہ مرکوز رکھتے ہیں لیکن ان اعمال کے اصل مفہوم اور باطنی اقدار کو معلوم کرنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ حج کی تفصیلات تو بعد میں بیان کی جائیں گی لیکن ایام حج میں مکہؐ کے منظر پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے انسان اس مہتم بالشان اتحاد کو دیکھ کر جو نسل انسانی کے متفرق اور متشتت اجزاء میں منصۂ شہود میں آتا ہے ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے مگر اس سے بھی زیادہ اہم حج کی ایک دوسری افادیت ہے۔ اور یہ وہ ارفع اور اعلیٰ روحانی تجربہ ہے جو اس فقید المثال اجتماع کے ذریعے معرض امکان میں آتا ہے۔ اس تجربہ میں انسان خدا کے قریب اور قریب تر کھینچا ہوا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ محسوس کرلیتا ہے کہ تمام وہ حجاب جو اس کو خدا سے دور رکھے ہوئے تھے رفع ہوچکے ہیں اور اب وہ خود خدا کے حضور میں کھڑا ہے۔ یہ سچ ہے کہ خدا مکہؐ کے اندر نہیں رہتا۔ اور نہ ہی کعبہ مادّی معنوں میں خدا کا گھر ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ایک مسلمان کو ایک دور دراز گوشے میں۔ ایک الگ تھلگ جگہ میں۔

رات کی تاریکیوں میں وہ خدائے عظیم سے ربط قائم کرنا سکھایا جاتا ہے اور اس طرح سے وہ انفرادی طور پر تقرّب الی اللہ کی جلوہ گاہوں میں سے گذرنے کا تجربہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اعلیٰ اور ارفع روحانی تجربہ ہے جسے وہ عرفات کے میدان میں جمع ہونے والے اجتماع عظیم سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس اجتماع عظیم کا ہر فرد اپنے گھر سے یہی مقصد سامنے رکھ کر باہر نکلتا ہے۔ وہ زندگی کی تمام آسائشوں اور تعیش کے تمام سامانوں پر جو اس کی باطنی آنکھ پر پردہ کی طرح پڑے ہوتے ہیں۔ لات مار دیتا ہے۔ اسے حکم ہے کہ وہ نہایت سادہ لباس پہنے اور ہر قسم کی جنسی محبت کی گفتگو اور تمام قسم کے تنازعات سے اجتناب کرے اور ان تمام صعوبتوں کو بطیب خاطر قبول کرے جو عرب جیسے بے برگ وگیاہ ملک کی طرف سفر کرنے میں برداشت کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ اپنی تمام توجہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات والا صفات پر مرتکز کرنے کے قابل ہو سکے۔ دنیا کا عیش و عشرت فی الواقعہ ایک حجاب ہے جو دوسری دنیا کو انسان کی آنکھ سے اوجھل رکھتا ہے۔ لیکن تکلیفیں اور صعوبتیں انسان کو خدا کی طرف راغب کرتی ہیں صرف تنہائی میں ہی نہیں بلکہ دوسروں کی معیت میں اپنے خیالات کو خدا پر مجتمع کرنا حج کا اصل مقصد ہے ایک شخص اپنی بیوی کی معیت میں حج کو جا سکتا ہے مگر اس سے جنسی محبت کی کوئی بات کرنے کا مجاز نہیں، وہ اپنے دشمن کی معیت میں ہو سکتا ہے مگر اس سے اس کو جھگڑنے کی اجازت نہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ وہ ایک مہتم بالشان روحانی تجربہ سے بہرہ یاب ہو۔ یہ کسی راہب کا روحانی تجربہ نہیں جو دنیا و مافیہا سے کلی انقطاع کر چکا ہے۔ نہ کسی زاہد کا تجربہ ہے جو کسی گوشۂ عزلت میں بیٹھا خدا کی یاد میں مستغرق ہے بلکہ یہ اس انسان کا تجربہ ہے جو اپنی رفیقۂ حیات کی معیت میں دوست دشمن کی معیت میں اور دوسرے تمام لوگوں کی معیت میں اس عالم خاکی میں بودوباش رکھتا ہے۔

اس قسم کے مجمع عظیم میں انسان کے روحانی تجربہ کی اہمیت ایک دوسرے نکتہ نگاہ سے بھی ہویدا ہے۔ یہ امر کہ ایک دل کو دوسرے دل سے ایک مخفی راہ ہے۔ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور ایک مادّہ پرست بھی اس کو تسلیم کرنے سے پس و پیش نہیں کرے گا۔ بنابریں ایک ایسے شخص کی معیت جو ویسے ہی احساسات کو محسوس کرتا اور اسی قسم کے تجربہ میں سے گذر رہا ہے فی الواقعہ مجمع کے ہر فرد کے روحانی تجربہ کے لئے ایک مزید تقویت کا موجب ہوگی۔ ذرا ان ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے مجمع پر ایک نظر ڈالئے۔ ہر دل میں خدائے ذوالجلال کے حاضر و ناظر ہونے کے بے پناہ احساس کا جذبہ موجزن ہے۔ ایک ہی مقتدر ہستی ان لاکھوں انسانوں کی کامل توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اور اس وقت صرف یہی ایک ہستی بلا شرکت غیرے سب کا مقصود اور سب کا مطمح نظر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ان بے پناہ تاثرات کا بھی کچھ اندازہ کیجئے جو اس عظیم الشان اجتماع سے قلب انسانی پر وارد ہوتے ہیں جبکہ سب کے سب یکساں طور پر صرف دو چادروں میں ملبوس سب کے سب ایک ہی زبان میں جس کو ہر کوئی سمجھتا ہے باواز بلند لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں یعنی "ہم سب حاضر ہیں اے اللہ! ہم سب تیری خدمت اقدس میں حاضر ہیں" ان کا ایک جگہ جمع ہو کر یہ الفاظ زبان پر لانا اس حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہے کہ وہ خدائے عظیم کے حضور استادہ ہیں۔ اور اس ذات جامع الصفات کے خیال میں اس قدر مستغرق ہیں کہ اپنے آپ کو بھول چکے ہیں اور تمام نفسانی خیالات دل سے یکسر محو ہو گئے ہیں۔ یورپین لوگ جنہوں نے اس حیرت انگیز منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر حقیقت پر گہری نظر نہیں ڈالی تعجب کرتے ہیں کہ انسانیت کے اس رفیع الشان اور وسیع اجتماع میں کیوں ہر طرف سسکیاں لی جارہی ہیں۔ اور کیوں ہر آنکھ سے صاف کریں کی پھوار جاری ہے۔ لیکن شاید انہوں نے اس اندرونی تبدیلی پر غور نہیں کیا جو انہیں اس طرح سے خارج میں متاثر کر رہی ہے۔ خدا کی موجودگی جس میں وہ اپنے آپ کو محسوس کرتے ہیں ان پر اس قدر محیط و مستولی ہے کہ انہیں یاد ہی نہیں رہتا ہے کہ وہ ایک مجمع کے اندر ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتے ہیں اور خدا اور صرف خدا کا حاضر و ناظر ہونا ہی ہر دل میں بسا ہوتا ہے۔ اور اسی کی دھن ہر دل میں لگی ہوئی ہوتی ہے وہی ان کا مقصود وہی ان کا مطلوب اور وہی ان کا محبوب ہوتا ہے۔ ولا غیر۔ یقیناً دوسری جگہوں کو چھوڑ کر خدا مکہّ ہی میں نہیں ہے مگر مکہّ کا وسیع اجتماع اس کو وہاں دیکھ لیتا ہے۔ اس کی موجودگی کو ایسا محسوس کر لیتا ہے کہ گویا وہ حقیقتاً ان کے درمیان موجود ہے۔ یہ ہے مکہّ کے حج کرنے والوں کا روحانی

تجربہ۔ یہ اس راہب کا تجربہ نہیں جو اپنے صومعہ کی کوٹھری میں عزلت گزین ہے۔ اور دنیا وما فیہا سے انقطاع کر کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ بلکہ یہ ایک رفیع الشان عظیم القدر اجتماع کا جو ایک جگہ پر جمع ہوتا ہے کھلا ہوا تجربہ ہے۔

حج کن پر فرض ہے

حج ہر بالغ پر زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے۔ اس سے زیادہ اختیاری امر ہے۔ حج کرنا اس شرط سے مشروط ہے کہ انسان مکہ تک سفر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا

ترجمہ: اور لوگوں پر اللہ کیلئے اس گھر کا حج کرنا ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے۔ (سورۃ آل عمران ۹۷)

سفر اختیار کرنے کی صلاحیت کئی ایک حالات پر منحصر ہے۔ ممکن ہے کسی شخص کو کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو جس کی وجہ سے دور دراز سفر کی سختیوں کو برداشت کے ناقابل ہو۔ مثلاً ایک بہت بوڑھا شخص اس فریضہ سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ ایک وجہ مالی تنگی بھی ہو سکتی ہے جبکہ انسان کے پاس سفر کے لئے زاد راہ نہ ہو اور نہ اہل وعیال کے گذارہ کی کوئی صورت ہو جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے۔ سفر کے لئے کافی زادِ راہ لینے کی شرط قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

وتزوّدوا فان خیرا الزاد التقویٰ

ترجمہ:۔ اور زادِ راہ لے لیا کرو البتہ بہترین توشہ تقویٰ ہے

بیان کی گیا ہے کہ یمن سے لوگ حج کے لئے بغیر زادِ راہ کے آتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں۔ اور جب وہ مکہ میں آتے تو بھیک مانگنے لگ جاتے۔

حج کے لئے پیادہ سفر کرنے کا عہد کر لینے کی بھی سخت ممانعت ہے۔ جب حضرت نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو پیادہ پا سفر کرتے ہوئے سخت مصیبت میں دیکھا اور آپ کو بتایا گیا کہ اس نے پیادہ پا سفر کرنے کا عہد کیا ہوا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدا کو کوئی ضرورت نہیں کہ یہ شخص اس طرح سے اپنے آپ کو سزا دے اور حضور ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے۔ اسی طرح ننگے پاؤں مکہ تک جانے کا عہد کرنا بھی حضرت رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے لئے آرام وآسائش کے ساتھ مکہ تک پہنچنے کے واسطے کافی انتظام اور کافی زادِ راہ ہونا چاہئیے۔ جان کے خطرہ کی صورت میں بھی انسان فریضۂ حج سے بری الذمہ ٹھہرتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے بہت سے صحابہ مدینہ میں ہجرت کے بعد کئی سال حج نہیں کر سکے کیونکہ ان کی جانیں مکہ میں محفوظ نہیں تھیں اور جب ہجرت کے چھٹے سال چودہ سو صحابہ کے ساتھ حضور ﷺ نے حج (عمرہ) کرنا چاہا تو آپ کو حدیبیہ سے آگے نہ جانے دیا گیا۔ جو حرم کی حدود سے باہر تھا اور حج کے بغیر حضور کو واپس تشریف لے جانا پڑا۔

عمرہ

لفظ عمرہ عمر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں اس نے ایک جگہ آباد کی، یا اس جگہ کی زیارت کی۔ اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں عمرہ کے معنی زیارت کعبہ کے ہیں۔ یہ حج سے دو باتوں میں مختلف ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حج سوائے اوقات متعینہ کے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مگر عمرہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔

شوال۔ ذی القعد اور ذی الحجہ کے دس دن خاص طور پر حج کے مہینے مقرر کئے گئے ہیں۔ بناء علیہ ایک آدمی صرف انہی مہینوں میں حج کے لئے احرام باندھ سکتا ہے۔ اور حج کی اصل عبادات آٹھویں ذی الحجہ سے تیرھویں تک ہیں اور دوسرا فرق حج اور عمرہ میں یہ ہے کہ عمرہ میں عرفات میں جانا اور اس جگہ جمع ہونا ترک کیا گیا ہے مگر حج کا یہ ضروری رکن ہے۔ پھر ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ حج کی صورت میں جانور کی قربانی ضروری ہے مگر عمرہ کی صورت میں نہیں۔ عمرہ حج سے علیحدہ بھی ہو سکتا ہے اور حج کے ساتھ بھی۔ آخرالذکر صورت میں یہ حج کی ایک متوازی عبادت کا حکم رکھتا ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں حج کا اکثر ذکر آیا ہے مگر ان دونوں کے ادا کرنے کا صریح حکم پایا جاتا ہے:۔

واتموا الحج والعمرۃ للہ (سورۃ لبقرہ ۱۹۶) "اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو"

حدیث میں بھی وجوب العمرہ کہہ کر عمرۃ کی حیثیت بطور فرض بیان کی گئی ہے اور ابن عمرؓ کا قول بیان کیا گیا ہے کہ ہر شخص پر حج اور

عمرہ واجب کئے گئے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ عمرہ کتاب اللہ میں حج کا ساتھی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ ایک اور حدیث کے رو سے عمرہ فرض نہیں ہے۔ (ترمذی ابواب الحج) لیکن جو شخص حج ادا کرتا ہے وہ عمرہ آسانی سے ادا کرسکتا ہے۔

دو طریقے ایسے ہیں جن میں حج عمرہ کے ساتھ جمع کیا جاسکتا ہے۔ تمتع اور قران۔

تمتع (جس کے لغوی معنی فائدہ اٹھانا ہے) حج اور عمرہ کو ایسے طریق پر جمع کرنے کا نام ہے کہ حاجی حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے حالت احرام میں داخل ہو جائے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد اس حالت سے باہر نکل آئے اور حج کے دنوں میں پھر احرام کی حالت میں داخل ہو جائے اس طرح سے عمرہ اور حج کے درمیان حاجی اپنی معمولی حالت میں رہنے کا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ اور احرام کے قواعد و ضوابط کا پابند نہیں ہوتا۔ اور اس کے لئے اسے حکم ہے کہ وہ ایک جانور کی قربانی کرے یا حج میں تین دن اور حج سے واپسی پر سات دن روزے رکھے قران (جس کے لغوی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں) حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرنے کے ارادہ سے حالت احرام میں داخل ہونے اور جب تک دونوں ادا نہ ہو جائیں اس حالت سے باہر نہ نکلنے یا حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے احرام میں داخل ہونے اور جب تک حج بھی ادا نہ ہو جائے اسی حالت میں رہنے پر مشتمل ہے اس طرح سے تمتع اور قران میں فرق یہ ہے کہ تمتع میں عمرہ کے بعد حالت احرام کو حج تک چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن قران میں حالت احرام مسلسل قائم رہتی ہے۔ جب صرف حج ادا کیا جائے، تو اس کو افراد کہتے ہیں (جس کے لغوی معنی ایک چیز کو الگ کرنا ہے) ان دو اختلافات کے علاوہ جو اوپر بیان کئے گئے ہیں جو کچھ حج کے متعلق ذیل میں بیان کیا گیا ہے وہ عمرہ پر بھی صادق آتا ہے۔

احرام

حج کے موقع حاجی کو جس حالت میں اپنے آپ کو ڈالنے کا حکم ہے اس کو احرام کہتے ہیں (یہ حرم سے ہے جس کے معنی روک یا امتناع کے ہیں) یا یہ ایسی حالت میں داخل ہونے کا نام ہے جس میں ایک خاص لباس پہنا جاتا ہے اور خاص خاص اعمال جو عام حالت میں جائز ہوتے ہیں ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلعم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! محرم (یعنی احرام باندھنے والے کو) کیا لباس پہننا چاہئے؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ :۔

"نہ قمیص پہنے نہ ہی پگڑی نہ پاجامہ نہ ٹوپی۔ نہ ایسا لباس جو سرخ یا زعفرانی رنگ کا ہو۔ اور اگر اس کے پاس جوتا نہ ہو تو چمڑے کے موزے (خفین) ہی پہن لے اور انہیں کاٹ دے یہاں تک کہ ٹخنوں سے نیچے ہو جائیں"۔ ایک دوسری حدیث میں حالت احرام میں حضورؐ کے اپنے لباس کے متعلق یہ کیفیت درج ہے :۔

"حضورؐ بغیر سلا ازار اور جسم کے اوپر کے حصہ پر بنا سلی چادر (ردا) پہنے ہوئے تھے"۔

بناءً علیہ احرام کا لباس دو ان سلی چادریں ہیں، ایک چادر ناف سے ٹخنوں تک اور دوسری جسم کے اوپر کے حصہ پر، ان دونوں چادروں کا سفید ہونا قابل ترجیح ہے، مستورات کے متعلق اجازت ہے کہ وہ اپنے معمولی کپڑے پہن سکتی ہیں اور حضرت عائشہؓ کی رائے میں اگر حج کرنے والی عورت سیاہ رنگ یا سرخ رنگ کے کپڑے اور جوتا (خف) پہنے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حالت احرام میں عورت کو اپنا چہرہ ڈھانکنا یا نقاب نہیں پہننا چاہئے۔ ایک سند کی رو سے احرام میں لباس کا تبدیل کرنا ممنوع نہیں ہے۔ (بخاری کتاب المناسک) لیکن عورتوں کو بھی سادہ لباس پہننا چاہئے۔ مقصد یہ ہے کہ تمام طبقاتی امتیازات کو اٹھا دیا جائے اور مردوں کی صورت میں یہ اس طرح سے ہوسکتا ہے کہ وہ دو بنا سلی چادریں پہنیں اور عورتوں کی صورت میں اس طرح کہ وہ نقاب ترک کردیں جو بڑے رتبہ کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ غالباً دو ان سلی چادروں کا لباس حضرت ابراھیمؑ کے زمانہ سے چلا آتا ہے اور لوگوں کو سادہ زندگی کا عملی سبق دینے کے لئے وہی سادہ آبائی لباس حج میں قائم رکھا گیا ہے۔

احرام کا لباس پہننے سے پیشتر حاجی کو غسل کرنا چاہئے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے تلبیہ۔ پکارنا چاہئے۔ اس کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے کا عمل بھی پایا جاتا ہے۔

لیکن حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلعم نماز ظہر کی دو رکعت پڑھ کر احرام کی حالت میں داخل ہو جاتے تھے احرام کی حالت میں بلکہ اس سے بھی پہلے اس وقت سے جبکہ مکہّ کا سفر شروع کیا جائے جنسی محبت کی گفتگو کی اجازت نہیں اور اس لئے جماع بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا حکم ہے :۔

فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج۔(سورۃ البقرہ ۱۹۷)

ترجمہ۔ پس جس نے ان (مہینوں) میں اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو حج میں فحش کلام اور نہ گالی گلوچ اور نہ کوئی جھگڑا ہو۔

نہ حالت احرام میں خوشبو کے استعمال کی اجازت ہے نہ حجامت کی نہ ناخن ترشوانے کی۔ روح کے تقاضوں کی طرف زیادہ توجہ دینے کیلئے چند دنوں کے واسطے جسم کے تقاضوں کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ ایک عملی سبق ہے جو انسان کی زندگی میں اسکو کئی ایک موقعوں پر کام دیتا ہے۔

میقات یا مہل

سفر حج شروع کرنے کے بعد حج کے مہینوں کے دوران میں انسان کسی وقت حالت احرام میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ اس حالت میں زیادہ دیر تک رہنا بہت تکلیف کا موجب ہوگا۔ اس لئے مکہّ کے مختلف راستوں پر خاص خاص مقامات مقرّر کر دیئے گئے ہیں جہاں پہنچ کر حاجی احرام کی حالت میں داخل ہوتے ہیں۔ ایسے مقام کو میقات کہتے ہیں۔ (جو وقت سے مشتق ہے) اور اس کے معنی ایک مقررہ وقت یا ایسا مقام ہے جہاں ایک خاص عمل کے سرانجام دینے کا تعین کیا گیا ہو۔ میقات کو مہل بھی کہتے ہیں (جو اہل سے ہے بہ معنی اس نے آواز بلند کی) اور اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں تلبیہ کی آوازیں بلند کی جاتی ہیں۔ تلبیہ اونچی آواز سے لبیک اللّٰھم لبیک کے کلمات کا پکارنا ہے۔ جس کے معنی ہیں "حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور میں حاضر ہوں" جونہی کہ حاجی اس عزم بالجزم کے ساتھ کہ جسم کی نگہداشت کی طرف حتی الوسع کم توجہ دے گا، احرام کی حالت میں داخل ہوتا ہے حج کا روحانی مقام اس کے سامنے آجاتا ہے اور باواز بلند پکارتا ہے کہ وہ خدائے ذوالجلال کے حضور حاضر ہے۔ اسلئے وہ مقام جہاں حالت احرام میں انسان داخل ہوتا ہے۔ اس جگہ بھی خدائے واحد کو یاد کرتے ہوئے آوازیں بلند کی جاتی ہیں، اس وجہ سے میقات کو مہل بھی کہتے ہیں۔ وہ متعدد مقامات جو احرام کے لئے مقرر کئے گئے ہیں حسب ذیل ہیں :۔

ذوالحلیفہ۔ ایسے حاجیوں کے لئے جو مدینہ کی طرف سے آتے ہیں۔

جحفہ۔ ایسے حاجیوں کے لئے جو شام اور مصر سے آتے ہیں۔

قرن المنازل۔ ان حجاج کے لئے جو نجد سے آتے ہیں۔

یلملم ان کے لئے جو یمن سے آتے ہیں جن میں ہندوستان، جاوا۔ اور دوسرے ممالک کے حاجی بھی شامل ہیں جو عدن کے رستہ جہاز کے ذریعہ آتے ہیں۔ اور ذات عرق ان حاجیوں کے لئے جو عراق سے آتے ہیں۔ ان تمام مقامات کے لئے جو ان حدود کے اندر واقع ہیں۔ میقات وہ جگہ ہے جہاں سے حاجی احرام کی حالت میں روانہ ہوتا ہے اور مکہّ کے باشندوں کے لئے خود مکہ ہی میقات ہے۔

طواف

لفظ طواف طاف سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ ایک چیز کے ارد گرد گھوما اور اسلام کی شرعی اصطلاح میں اس کے معنی کعبہ کے گرد گھومنا ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کا حکم قرآن مجید کی مکی وحی میں پایا جاتا ہے :۔

وليطوفوا بالبيت العتيق (سورۃ الحج ۲۹) اور قدیم گھر کا طواف کرو۔

اعمال حج میں طواف کعبہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ مکہّ پہنچنے پر حاجی کا سب سے پہلا عمل یہی ہے کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور یہی آخری عمل ہے جب وہ اس متبرک جگہ کو چھوڑیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب کے ایک باب کا یہ عنوان قائم کیا ہے :۔

من طاف بالبيت اذا قدم مكة قبل ان يرجع الى بيته ثم صلى ركعتين ثم حرج الى الصفا (بخاری کتاب المناسک)

ترجمہ : جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے جب مکہ آئے پہلے اس سے کہ اپنے گھر کی طرف لوٹے پھر دو رکعتیں پڑھے پھر صفا کے

طرف نکلے۔

اس عنوان کے تحت امام موصوف نے ابن عمرؓ کی حدیث بیان کی ہے جو اس طرح سے ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم جب حج اور عمرہ میں آتے تو سب سے پہلے طواف کرتے اور تین پھیروں میں دوڑتے اور چار میں معمولی رفتار سے چلتے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرتے۔ جس فرش پر طواف کیا جاتا اس کو مطاف کہتے ہیں۔ طواف میں خانہ کعبہ کے ارد گرد چکر لگا یا جاتا ہے۔ حتی الوسع کعبہ کی دیواروں کے قریب ہو کر چکر لگانا چاہیئے۔ لیکن شمال مغربی جانب کو چھوٹی نصف دائرہ والی دیوار کے قریب قریب رہنا چاہیئے کیونکہ حجر بھی مطاف میں شامل ہے۔ طواف سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو غسل کر لیا جائے، مرد اور عورتیں اکٹھے طواف کرتے ہیں مگر عورتیں مردوں سے علیحدہ رہتی ہیں۔ لیکن عورتوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ وہ مردوں سے خالی نہ ہو جائے۔ اسلام سے پہلے بعض لوگ برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ (بخاری) جو طواف مکہ پہنچتے ہی پہلے پہل کیا جاتا ہے اس کو طواف القدوم کہتے ہیں اور جو رخصت ہونے پر کیا جائے اس کو طواف الوداع کہا جاتا ہے اور جو طواف قربانیوں کے دن (یوم النحر جو دسویں ذی الحجہ کا دن ہے) کیا جاتا ہے اس کو طواف الزیارۃ کہتے ہیں۔ آخر الذکر حج کی ضروری عبادات میں سے ہے۔ مگر پہلے دو طواف فرض نہیں ہیں اگرچہ ان پر اکثر عمل کیا جاتا ہے۔

طواف حجر الاسود سے شروع کیا جاتا ہے جس کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی طرف صرف اشارہ کر دینا بھی کافی ہے حضرت نبی کریمؐ رکن الیمنی اور حجر الاسود دونوں کو بوسہ دیا کرتے تھے (بخاری) لیکن بہت سے صحابہ کے متعلق ذکر آتا ہے کہ وہ کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ طواف کرتے ہوئے کعبہ کو دائیں طرف رکھا جاتا ہے۔ اور کل سات چکر کاٹے جاتے ہیں۔ پہلے تین چکر تیزی سے کاٹے جاتے ہیں (اس کو رمل کہتے ہیں) اور باقی چار معمولی رفتار سے لیکن اگر ضرورت ہو تو طواف کسی جانور کی پشت پر سوار ہو کر بھی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا تھا۔ اور حضور صلعم نے ام سلمہ کو بھی بوجہ بیماری ایسا ہی کرنے کی اجازت دی تھی۔ طواف کرتے ہوئے اگر ضرورت ہو تو کسی کام کا کرنا یا بات چیت منع نہیں ہے۔ طواف کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کی جا سکتی ہیں۔ حضرت نبی کریم صلعم کے متعلق روایت ہے کہ حضورؐ نے یہ دعا کی :۔

ربنا اتنافی الدنیا حسنة و فی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ (ابوداؤد کتاب المناسک)

اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور عاقبت میں بھی بھلائی نصیب کر اور دوزخ کی آگ سے بچا"

حیض والی عورتوں کو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی ملتوی کر دینی چاہیئے۔ ان لوگوں کے لئے جو ایک ہی وقت حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھیں (جسے حج قران کہتے ہیں) صرف پہلا طواف (طواف القدوم) ہی کافی ہے۔ لیکن تمتع کی صورت میں جبکہ حج کا احرام باندھا جائے ایک اور طواف کرنا بھی ضروری ہے۔

سعی

سعی کے معنی دوڑنا ہے۔ اور شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں حاجیوں کے صفا اور مروہ کے مابین دوڑنے کو کہتے ہیں جو مکہ کے نزدیک دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ عبادات حج میں یہ عمل طواف سے دوسرے درجہ پر ہے۔ دراصل عمرہ کی حالت ہے جس کو حج اصغر کہتے ہیں۔ طواف اور سعی ہی دو ضروری اعمال ہیں۔ اور اس لئے عمرہ سعی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب صرف عمرہ ہی کرنا ہو تو ایک جانور کی قربانی دی جاتی ہے۔ سعی کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آتا ہے :۔

ان الصفا والمروة من شعائر الله ۔فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما۔

تحقیق صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔

قرآن مجید لفظ سعی استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ لفظ طواف کا ایک

اشتقاق یَطَّوَّفَ آیا ہے یہ دو پہاڑیاں وہ ہیں جہاں حضرت ہاجرہؑ اپنے پیا سے بچے اسماعیل کے لئے پانی کی تلاش میں بیتاب ہو کر ادھر ادھر بھاگتی رہیں۔ بناءً علیہ یہ پہاڑیاں اشد مصیبت کی گھڑیوں میں زمام صبر کو ہاتھ سے نہ دینے کی زندہ جاوید یادگار ہیں۔ اور صبر واستقامت کی تعلیم کے ضمن میں ہی قرآن پاک میں صفا اور مروہ کے طواف کا ذکر آتا ہے۔ جیسا کہ سورہ البقرہ آیت ۱۵۸ کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔

اب ان دو پہاڑیوں کے درمیان ایک بازار بنا ہوا ہے جس کے دونوں جانب مکانات اور دوکانیں ہیں۔

اصل حج منا کی جانب کوچ

طواف اور سعی ہر حاجی کیلئے جبکہ وہ پہلے پہل مکہ معظمہ میں پہنچے انفرادی اعمال ہیں۔ خواہ وہ عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا حج کا یا حج کو عمرہ کے ساتھ ملا لے (جسے قران کہتے ہیں) یا دونوں کو الگ الگ کرے (جسے تمتع کہا جاتا ہے) صرف عمرہ کی صورت میں یا تمتع کی صورت میں حاجی عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیتا ہے۔ اصل حج ۸/ذی الحجہ کو شروع ہوتا ہے جبکہ حاجیوں کی ساری جماعت اکٹھی حرکت کرتی ہے۔ اس کو یوم الترویہ کہتے ہیں (جس کے لغوی معنی پانی لینے یا پیاس بجھانے کے ہیں) کیونکہ اس دن حاجی آئندہ ایام کے لئے اپنے لئے پانی مہیا کرتے ہیں (نہایہ) اس وجہ سے کہ اصل حج کا آغاز روحانی پیاس بجھانے کے مترادف ہے۔ وہ حاجی جو تمتع کی وجہ سے عمرہ کے بعد احرام کھول دیتے ہیں آٹھ ذی الحجہ کو احرام باندھ لیتے ہیں اور مکہ کے رہنے والے بھی جو حج کرنا چاہیں اسی طرح عمل کرتے ہیں۔ پھر حاجیوں کی جماعت منا کی طرف کوچ کرتی ہے۔ منا ایک وسیع میدان ہے جو عرفات اور مکہ کے درمیان مکہ معظمہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس میدان میں سے راستہ جو تقریباً آدھ میل لمبا ہوتا ہے ایک پہاڑی پر گذرتا ہے جس کو عقبہ کہتے ہیں اور جو تاریخ اسلام میں اس وجہ سے مشہور ہے کہ وہاں حضرت نبی کریم ﷺ نے مدینہ کے مسلمانوں سے دو دفعہ عہد لیا تھا۔ شمالی جانب کو ثبیر کی پہاڑی واقع ہے۔ اصل حج کے دوران میں سب سے لمبا قیام اور حقیقت میں صرف ایک ہی قیام منا میں ہی ہوتا ہے، منا میں دوپہر سے پہلے پہنچ جانا چاہئے تا کہ نماز ظہر وہاں ادا کی جا سکے رات بھی وہیں بسر کی جاتی ہے اور دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کو دوپہر کے وقت حاجی عرفات کے میدان کی طرف کوچ کرتے ہیں۔

عرفات اور وقوف

عرفہ یا عرفات اس میدان کا نام ہے جو مکہ کے مشرق میں تقریباً ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ عرف یا معرفہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کا علم ہونا معرفت کے خصوصی معنی خدا کا علم حاصل ہونا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میدان کا نام عرفات اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہاں ہر پہلو سے مساوات کے رنگ میں جمع ہونے والے لوگ معرفت الٰہی کے حاصل کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس میدان کے مشرق میں طائف کے بلند پہاڑ واقع ہیں اور شمال کی طرف عرفات کی پہاڑی ہے جو میدانی سطح سے تقریباً ۲۰۰ فٹ بلند ہے جبل الرحمۃ (رحمت کا پہاڑ) جس پر وہ منبر ہے جہاں سے خطبہ دیا جاتا ہے مشرق کی طرف واقع ہے اور اس کی چوٹی تک جانے کے لئے پتھر کے ساتھ پائے بنے ہوئے ہیں۔ ۹/ذی الحجہ کو دوپہر کے وقت منا سے رخصت ہو کر حاجی عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرنے کیلئے وقت مقررہ پر پہنچ جاتے ہیں جس کے بعد امام جبل الرحمۃ سے خطبہ دیتا ہے۔ عرفات میں حاجیوں کا قیام سہ پہر سے مغرب تک رہتا ہے۔ اس کو وقوف کہتے ہیں۔ (جس کے معنی ہیں ٹھہرنا یا خاموش کھڑے رہنا) یہ عمل عبادات حج میں اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ اگر حاجی ۹/ذی الحجہ کو عرفات میں وقت مقررہ پر پہنچ جائیں تو حج ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ وقوف میں شامل نہ ہو سکے تو حج ادا نہیں ہوتا۔ حاجیوں کا تمام وقت سہ پہر سے لے کر مغرب تک خدائے قدوس کی تسبیح وتقدیس اور لبیک اللہ لبیک کے کلمات باآواز بلند پکارنے میں گذرتا ہے۔ اسلام کے آنے سے پہلے قریش اور بعض اور عرب قبائل جنہیں دوسرے عرب قبائل پر فوقیت کا دعویٰ تھا عرفات میں نہیں جاتے تھے اس لئے قرآن مجید نے اس قسم کے طبقاتی امتیازات کو مٹانے کے لئے یہ حکم نافذ فرمایا:۔

ثم افیضوا من حیث افاض الناس (سورہ البقرہ ۱۹۹)

پھر تم وہاں سے ہو کر چلو جہاں سے لوگ ہو کر چلتے ہیں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو سکون کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

مزدلفہ

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ میں جا ٹھہرتے ہیں۔ مزدلفہ زلف سے مشتق ہے جس کے معنی نزدیکی کے ہیں یعنی وہاں قیام کر کے خدا سے قرب ڈھونڈا جاتا ہے قرآن مجید میں اس کو مشعر الحرام

کہا گیا ہے۔(یعنی متبرک یادگار) اور اس جگہ خدا کو یاد کرنے کا خاص طور پر حکم ہے۔

فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام واذکروہ کماھداکم وان کنتم من قبلہٖ لمن الضالین۔ (سورہ البقرہ ۱۹۸)

"پھر جب تم عرفات سے نکلو تو مشعر الحرام کے پاس خدا کا ذکر کرو۔ اور اسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی اور گو اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے"۔

اس جگہ کو الجمع بھی کہتے ہیں یعنی اکٹھا ہونے کی جگہ۔ مزدلفہ پہنچ کر حاجی مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کرتے ہیں۔ رات وہاں ہی بسر کی جاتی ہے اور پھر نماز فجر ادا کرنے کے بعد حاجی علی الصبح منا کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ کمزور لوگوں کے لئے اجازت ہے کہ وہ نماز صبح سے پہلے ہی روانہ ہو جائیں۔ قبل اسلام حاجی اس وقت تک روانہ نہیں ہوتے ہیں جب تک کہ سورج ثبیر کی پہاڑی پر اچھی طرح سے نہ چمک جاتا۔ ممکن ہے کہ سورج پرستی کا کوئی خیال اس رسم سے تعلق رکھتا ہو۔

منا میں یوم النحر

اس طرح سے حاجی لوگ ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح کو پھر منا میں پہنچتے ہیں اس دن کو یوم النحر کہتے ہیں یعنی قربانیوں کا دن۔ اس دن دنیائے اسلام میں عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے۔ منا میں نماز عید ادا کرنے کے بعد جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں۔ پھر حاجی واپس آتے اور کعبہ کا طواف کرتے ہیں اس کو طواف الافاضہ کہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ حاجی سر منڈوا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیتے ہیں۔ لیکن قربانی سے پہلے ایک اور مختصر سا عمل عبادت ہے جس کو رمی یا رمی الجمار کہا جاتا ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اگرچہ حاجی طواف الافاضہ کے بعد حالت احرام سے نکل آتے ہیں لیکن انہیں پھر منا میں جانا پڑتا ہے۔ کیونکہ منا ہی وہ مقام ہے جہاں حج ختم ہوتا ہے۔

ایام التشریق

یوم النحر کے بعد حاجیوں کو تین یا کم از کم دو دن منا میں ٹھہرنے کا حکم ہے۔ یعنی گیارہوں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو یہ قیام قرآن مجید کے ایک واضح حکم کے ماتحت ہے جس میں اعمال حج کے خاتمہ کا ذکر اس طرح سے وارد ہے:۔

واذکروا اللّٰہ فی ایامٍ معدوداتٍ فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقٰی ط واتقوا اللّٰہ و اعلموا انکم الیہ تحشرون۔(البقرہ ۲۰۳)

ترجمہ: اور گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو پھر جو کوئی دو دن میں جلدی کر کے چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی پیچھے رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اللہ کے تقویٰ پر رہو اور جان لو کہ تم اس کے حضور اکٹھے کئے جاؤ گے۔

آیت بالا میں جن گنتی کے دنوں کا ذکر ہے ان سے وہ دو یا تین دن مراد ہیں جو یوم النحر کے بعد منا میں بسر کئے جاتے ہیں اور ان کو ایام التشریق کہا جاتا ہے۔ لفظ تشریق شرق سے مشتق ہے جس کے معنی مشرق کے ہیں اور بعض کے نزدیک حج کے بعد یہ تین دن اس وجہ سے ایام تشریق کہلاتے ہیں کہ اس کے ایک معنی ہیں گوشت سکھانے کیلئے دھوپ میں ڈالنا...... اور قربانی کئے ہوئے جانوروں کا گوشت زاد راہ بنانے کی غرض سے ان دنوں میں دھوپ میں خشک کیا جاتا تھا۔ (نہایہ) ایک دوسری تشریح یہ ہے کہ ان دنوں کو ایام التشریق اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں جانوروں کی قربانی سورج نکلنے کے بعد کی جاتی ہے۔ کیونکہ تشریق کے یہ بھی ایک معنی ہیں (نہایہ) لیکن تشریق کے معنی مشرق کی طرف جانا ہے۔ اور منا کہ کے مشرق میں واقعہ ہے یا اس میں ایک عمیق روحانی مفہوم پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کے معنی خوبصورت ہونے اور چہرہ کے چمکنے کے بھی ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ قبل از اسلام حج ادا کرنے کے بعد لوگوں کا دستور تھا کہ وہ عکاظ اور دوسرے پبلک مقامات میں جمع ہو کر اپنے آباء واجداد کی عظمت وشان کی مدح سرائی کیا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے ان تمام لغویات کو روکنے اور اس کی بجائے خدائے تعالیٰ کی عظمت وبرتری کے ذکر کے لئے ان دنوں کو مخصوص کر دیا۔

رمی الجمار

حج کے آخری دن یعنی ۱۰/ ذی الحجہ اور تشریق کے تین دنوں میں حاجیوں کو حکم ہے کہ وہ بعض مقررہ مقامات پر کنکر پھینکا کریں۔ اس کو رمی یا رمی الجمار کہتے ہیں (رمی کے معنی پھینکنا اور جمار جمرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چھوٹے چھوٹے پتھر) منا کے تین مقامات میں سے ہر ایک مقام کو بھی پتھروں کے پھینکنے یا پتھروں کے جمع ہونے کی وجہ سے جمرہ کہتے ہیں۔ ان تین جمروں میں سے جو مکہ

سے سب سے زیادہ قریب ہے اس کو جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقبہ پر واقع ہے۔ دوسرا مقام جو جمرہ وسطی کہلاتا ہے۔ منا کی مسجد کے قریب ہے اور اس سے ذرا آگے تیسرا جمرہ ہے جو جمرہ صغریٰ کہلاتا ہے اس بارے میں حضرت نبی کریم ﷺ کا عمل اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یوم النحر کو آپؐ دوپہر سے قبل کنکریاں مارا کرتے تھے۔ اور ایام التشریق میں بعد از دوپہر (بخاری)۔ پھر جبکہ یوم النحر کو جمرہ عقبہ سے رمی شروع کی جاتی ایام تشریق میں اس ترتیب کو الٹ دیا جاتا تھا۔ ہر جمرہ پر جو پتھر پھینکے جاتے ہیں ان کی تعداد سات ہوتی ہے اور ہر پتھر پھینکنے پر تکبیر بھی پکاری جاتی تھی (بخاری)۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ جمرہ اول پر پتھر پھینکنے کے بعد ذرا آگے تشریف لے جاتے اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر قبلہ رو ہو کر بڑی دیر تک دُعا مانگتے رہتے۔ پھر جمرہ ثانی کی طرف بڑھتے اور پتھر پھینکنے کے بعد پھر ذرا آگے جا کر پھر ہاتھ اٹھاتے اور قبلہ رو ہو کر بڑی دیر تک مصروف دعا رہتے۔ اور آخر کار سب سے آخری جمرہ پر پہنچ جاتے اور وہاں پتھر پھینکنے کے بعد روانہ ہو جاتے (بخاری)۔ یہ درست ہے کہ حج میں بہت سے ایسے اعمال قائم رکھے گئے ہیں جو قبل از اسلام مروج تھے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ان تمام اعمال کی ابتداء ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ سے ہوئی ہے۔ اور عمل میں ایک روحانی حقیقت مضمر ہے۔ حج کی ساری فضا اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و جلال اور مساوات نسل انسانی کے مظاہرہ پر مشتمل ہے۔ یوں کہنا چاہیئے کہ حج انسان کے روحانی ارتقاء کی آخری منزل ہے۔ مگر روحانی ارتقاء میں حقیقی زندگی کے رجحانات کو فراموش نہیں کر دینا چاہیئے کنکروں کا پھینکنا شیطانی تحریکوں سے متنبہ کرنا...... ہے اسلام امن اور اطمینان کا پیغام لایا ہے۔ لیکن جو شخص شیطان سے صلح کرتا ہے اس کے لئے امن و اطمینان کہاں؟ کنکروں کا پھینکنا انسان کو یہ سبق دیتا ہے کہ وہ بدی سے اظہار بیزاری کرے اور شیطان کو اپنے سے کنکر پھینکنے کے فاصلہ تک دور رکھے۔ انسان جس قدر بدی کے قریب جائے گا اسی قدر اس کا اس میں ملوث ہونا ممکن ہے۔ اور اس سے بچنے کا بہترین طریق یہی ہے کہ انسان اس سے دور ہی رہے۔ مزید برآں یہ رمی یا کنکروں کا پھینکنا اس روحانی جنگ کو یاد دلاتا ہے جو انسان کو بدی کے خلاف کرنی پڑتی ہے۔

حج میں دوسرے کاموں کی اجازت

اگرچہ حج کا مقصد انسان کی عملی زندگی میں ترک دنیا کا ایک تجربہ حاصل کرنا ہے۔ لیکن اسلام میں ترک دنیا اور تجارب دنیا...... اس قدر مربوط و مخلوط ہیں کہ دوران حج سے دنیاوی فوائد حاصل کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ قرآن مجید جہاں سفر حج کے لئے کافی زادراہ کی تاکید کرتا ہے اس کے ساتھ فرماتا ہے:۔

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم۔ (سورہ البقرہ ۱۹۸)

"تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب سے فضل کی تلاش کرو"

اس آیت میں فضل کی تلاش سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک موسم حج میں تجارت کے ذریعہ دولت بڑھانے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ذوالمجاز اور عکاظ قبل اسلام دو بڑی تجارتی منڈیاں تھیں۔ لیکن مسلمان حج کے روحانی مفاد کے ساتھ دنیا کے مفاد کو خلط ملط کرنا نہیں چاہتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی جس کی رو سے ان کو اجازت مل گئی کہ وہ موسم حج کے اندر تجارتی کاروبار کر سکتے ہیں۔ یہ منڈیاں آغاز ذیقعد سے ۸/ذی الحجہ کو حج شروع ہونے تک لگائی جاتی تھیں۔ قرآن مجید اس طرح سے حج کے موسم میں صرف تجارت کی اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ اس کو خدا کا فضل قرار دے کر ایک رنگ میں اس کو مستحسن قرار دیتا ہے...... اس سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس صورت میں حج کے موسم میں تجارت تک کی اجازت ہے وہاں مسلمانوں کے اس جم غفیر کو جو دنیا کے تمام کونوں سے یہاں جمع ہوتا ہے مختلف قسم کے مادی اور ثقافتی مفادات کے حصول کا بھی ایک سنہرہ موقعہ بتایا جا سکتا ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں میں رابطہ اتحاد و محبت پیدا کرنے اور بین الاقوامی اختلافات دور کرنے کیلئے اس سے معتدبہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات اس موقعہ پر کانفرنسیں منعقدہ ہوئی ہیں۔ مگر یہ کانفرنسیں حج کا ایک مستقل لائحہ عمل ہونی چاہئیں اور مسلمانوں کی مختلف اقوام کے صائب الرائے اصحاب کو ان امور پر تبادلہ خیالات کرنا چاہیئے جو مسلمانوں کے قومی مفاد سے تعلق رکھتے ہیں اس ضمن میں خود اسلام کی ترقی کا مسئلہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا:۔

☆☆☆

خانۂ خدا "کعبہ" اور "حجر الاسود" کی تاریخی

پس منظر پر ایک دلچسپ و معلوماتی بحث

کعبہ کا حال

چونکہ حج کی مراسم کعبہ سے متعلق ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت اور اس کے نام کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے۔ اس کے مادّہ کَعَبَ کے معنی ہیں "وہ بڑھا یا اہم ہو گیا۔" یا یہ کہ وہ بلند ہوا اور اعلیٰ ہو گیا" (نہایہ) اور اس مقدّس گھر کو اس کی عظمت اور شان کی وجہ سے کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعبہ ایک مستطیل شکل کی عمارت ہے۔ اور مسجد الحرام کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ جس کے سامنے کی اور پچھلی (شمال مشرقی اور جنوب مغربی) دیواریں ہر ایک چالیس فٹ لمبی ہے۔ اور دو ضلعوں کی دیواروں میں سے ہر ایک ۳۵ فٹ کی ہے۔ اس کی بلندی ۵۰ فٹ ہے۔ چاروں دیواریں شمال مغرب، شمال مشرق، جنوب مغرب اور جنوب مشرق کی طرف واقع ہیں۔

عمارت کے چاروں کونے چار مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ شمالی کونا (عراق یا میسوپوٹیمیہ کے نام پر) الرکن العراقی کہلاتا ہے۔ جنوبی کونہ (یمن کے نام پر) الرکن الیمنی اور مغربی کونا (شام کے نام پر) الرکن الشامی اور مشرقی کونہ (حجر الاسود کے نام پر) الرکن الاسود کہلاتا ہے۔ کعبہ کی چاروں دیواریں ایک سیاہ پردہ سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ جس کو کِسوہ (معنے کپڑا) کہتے ہیں۔ کعبہ کا دروازہ شمال مشرقی دیوار میں ہے۔ زمین سے تقریباً سات فٹ بلند دیوار کے وسط میں نہیں بلکہ حجر الاسود کے قریب جب کعبہ کو کھولا جاتا ہے تو ایک سیڑھی اس کے سامنے رکھ دی جاتی ہے تاکہ زائرین دروازہ تک پہنچ سکیں۔ عمارت سے باہر ایک کھلی جگہ ہے جس کو الحجر کہتے ہیں (جس کے لغوی معنی ممنوعہ کے ہیں) اس میں ایک نصف دائرہ کی دیوار ہے جو تین فٹ بلند ہے۔ اور جو کعبہ کی شمال مغربی دیوار کے سامنے واقع ہے۔ اس دیوار کے ۲ سرے کعبہ کے شمالی اور مغربی کونوں سے تقریباً چھ فٹ کے فاصلہ پر ہیں اور مرکزی حصہ دیوار سے تقریباً ۲۷ فٹ کے فاصلہ پر ہے۔ اس حصہ کو الحطیم بھی کہتے ہیں (جو حَطَمَ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں اس نے کچل دیا۔)

اگرچہ حضرت ابن عباسؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس کو اس نام سے پکارنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ ایامِ جاہلیت کا رکھا ہوا نام ہے۔ جب قسم لیتے ہوئے ایک شخص کوڑا یا کمان یا جوتا وہاں پھینک دیتا تھا اور اس لئے مشرکانہ رسم کا اس سے تعلق پایا جاتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب مناقب الانصار) طواف کرنے کی غرض سے حِجر عمارت میں شامل ہے۔ بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ حجر کو کعبہ کی عمارت کا ایک جزو سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس کو اصل عمارت میں شامل کر دیا تھا مگر جب حجاج نے اس کو دوبارہ تعمیر کرایا تو اس کو پھر کھلی جگہ چھوڑ دیا گیا۔

مشرقی کونہ میں تقریباً ۵ فٹ کی بلندی پر حجر الاسود واقعہ ہے (جس کے لغوی معنی سیاہ پتھر کے ہیں) جو دیوار میں نصب ہے اس کا سُرخی مائل سیاہ رنگ ہے اس کا قطر آٹھ انچ ہے اور اب ٹوٹ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں جن کو چاندی کے بند سے جوڑا گیا ہے۔

کعبہ کے......بیان میں مقام ابراہیم کا بھی ذکر کر دینا ضروری ہے۔ اس کے معنے ہیں ابراہیم کی جگہ یہ مسجد الحرام کے اندر ۵ فٹ مربع کی ایک چھوٹی سی عمارت کا نام ہے جو آٹھ آٹھ فٹ اُونچے چھ ستونوں پر کھڑی ہے۔ اس کا یہ نام قدیم ایام سے نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے جو کعبہ سے حضرت ابراہیم کے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور قرآن مجید میں سورہ آل عمران آیت ۹۶ میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ لیکن جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۵ سے ظاہر ہوتا ہے "مقام ابراہیم" سے خود بیت الحرام ہی مراد ہے۔

کعبہ کی تاریخ

قرآن مجید میں خانہ کعبہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ ایک جگہ اسکو بیت العتیق فرمایا گیا ہے۔ یعنے قدیم گھر ہے۔ اس کو بیت الحرام بھی اور بیت المحرم بھی فرمایا ہے۔ جس کے معنے وہی ہیں جو الحرام کے ہیں۔ اور ان

دونوں کے اصل معنے ہیں الممنوع یا وہ جو منع کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر ایسی جگہ جس کے تقدس کو توڑا نہیں جا سکتا۔ قرآن مجید یا حدیث میں کہیں ذکر نہیں آتا کہ کعبہ سب سے پہلے کب اور کس نے بنایا۔ لیکن یہ ذکر ضرور آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا:۔

واذیرفع ابراهیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربّنا تقبّل منّا (سورۃ لبقرہ ۱۲۷)

اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے اس گھر کی بنیادیں رکھیں اور دُعا کی اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما ایک ابتدائی وحی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو غیر ذی زرع وادی میں چھوڑا تو خانہ کعبہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتك المحرام (سورہ ابراہیم ۳۷)

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسمٰعیل کو ارادتاً بیت الحرام کے نزدیک چھوڑا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ اقدام در حقیقت خدا کے حکم کے ماتحت تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کعبہ کی عمارت مسمار ہو چکی ہوئی تھی اور بعد میں جب حضرت اسمٰعیل جوان ہو گئے تو حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیل دونوں نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۲۷ سے ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک لمبی حدیث میں جس میں حضرت ابراہیمؑ کے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو خانہ کعبہ کے نزدیک چھوڑ نے کا ذکر ہے...... بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"خانہ کعبہ اس وقت سطح زمین سے اُوپر ایک ٹبّہ کی طرح کھڑا تھا۔ اور سیلاب کا پانی اس کے دائیں جانب اور بائیں جانب گذرتا تھا۔"

اسی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ بعد ازاں جب حضرت اسمٰعیل جوان ہو گئے اور ان کی شادی بھی ہو گئی تو حضرت ابراہیمؑ اُن سے ملنے کے لئے گئے اور اُن سے کہا کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جہاں یہ ٹبّہ کھڑا ہے وہاں ایک مکان تعمیر کریں۔ اور پھر باپ اور بیٹے دونوں نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ مسمار شدہ ہونے کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر بُت بھی رکھے ہوئے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس گھر کو بُتوں سے پاک صاف کر دیں۔

وعهد نآ الیٰ ابراهیم و اسمٰعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ (سورہ البقرہ ۱۲۵)

"اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔"

تقریباً یہی الفاظ ایک ابتدائی وحی میں آتے ہیں۔

خانہ کعبہ کو پھر قریش نے دوبارہ تعمیر کیا تھا جب کہ حضرت نبی کریم ﷺ جوان تھے اور حضورؐ نے بنفس نفیس اس میں حصہ لیا۔ چنانچہ حضور کندھوں پر پتھر ڈھوتے تھے۔ دوران تعمیر میں اس بات پر تنازع ہو گیا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر کون نصب کرے ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسکو حاصل ہو۔ آخر یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو اس کے فیصلہ کو سب تسلیم کریں۔ حُسنِ اتفاق سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہوا وہ حضرت محمد رسول ﷺ تھے اور لوگوں میں جوش مسرّت سے ایک ایک شور برپا ہو گیا کہ **الامین آگیا**۔ حضورؐ نے فیصلہ دیتے ہوئے اپنی جبلی دانائی اور حکمت کا ثبوت دیا۔ جس کی توقع کی جاتی تھی۔ آپؐ نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے کپڑے کی ایک چادر پر رکھ دیا اور پھر ہر قبیلہ کے سردار کو حکم دیا کہ وہ اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑلیں اور اس طرح پتھر کو اُٹھا کر نصب کرنے کی جگہ لے چلیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حجرِ اسود کو اس کی اصل جگہ نصب کر دیا۔ کعبہ جس حالت میں قریش نے اس کو تعمیر کیا تھا عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانے تک اسی حالت میں رہا۔ لیکن نبو امیہ کی افواج نے مکہ کا محاصرہ کرتے ہوئے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچایا تو عبداللہ ابنِ زبیرؓ نے بجائے مرمّت کے اس کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور حجرِ اسود کو بھی اصل عمارت کے اندر شامل کر دیا۔ لیکن عبداللہ کے زوال کے بعد حجاج نے قریش کی قائم کردہ عمارت کی بنیادوں پر اس کو از سرِ نو تعمیر کیا اور اب یہ عمارت اُنہی بنیادوں پر استادہ ہے۔

المسجد الحرام

کعبہ ایک متوازی الاضلاع عمارت کے مرکز میں واقع ہے جس کے اضلاع انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں حسبِ ذیل ہیں:۔

شمال مغربی ضلع	۵۴۵ فٹ
جنوب مشرقی ضلع	۵۵۳ فٹ
شمال مغربی ضلع	۵۶۰ فٹ

جنوب مغربی ضلع ۳۶۴ فٹ

اس رقبہ کو المسجد الحرام یا مسجد مقدس کہتے ہیں یہی مکہ کی مشہور و معروف متبرک مسجد ہے۔ یہ نام قبل از اسلام لٹریچر میں بھی ملتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام) قرآن مجید میں یہ نام ابتدائی زمانہ کی وحی میں بھی آتا ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہے۔ مسجد حرام کے رقبہ میں کعبہ کے علاوہ مقام ابراہیمؑ اور زمزم کی عمارات بھی شامل ہیں۔ یہ مسجد حرام قبل از اسلام تمام انتظامی معاملات کا مرکز تھی۔ دارالندوۃ (مکہ کا کونسل ہال) اس کے اندر ہی واقع تھا۔ جہاں لوگوں کی شکایات کے متعلق تمام ضروری امور کا تصفیہ کیا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد مسجد حرام مکہ کی تمام علمی سرگرمیوں کا محور بن گئی اور تمام دُنیائے اسلام اس کو اپنا مرکزی مقام مانتی ہے۔

قدامت کعبہ کے متعلق تاریخی شہادت

قرآن مجید کا دعویٰ ہے۔ کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو عبادت الٰہیہ کے لئے روئے زمین پر بنایا گیا۔ اور تمام تاریخی شواہد جو مل سکے ہیں اس کی تائید کرتے ہیں اس کے متعلق میورؔ کا حوالہ دینا ہی کافی ہوگا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"مذہب مکہ کے اہم خدوخال (کی تاریخ) کا تعلق نہایت قدیم زمانہ سے متعین کرنا پڑے گا"... ڈائی ڈورس سیسولیس (Diodorus siculus) یہ ہمارے زمانہ سے تقریباً نصف صدی پیشتر عرب کے متعلق جس کے کناروں سے بحر قلزم ٹکراتا ہے لکھتا ہے:۔

"اس ملک میں ایک عبادت گاہ ہے جس کی عرب لوگ بڑی عزت کرتے ہیں یہ الفاظ مکہ کے مقدس گھر کے متعلق ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کوئی دوسری جگہ ہمارے علم میں نہیں ہو جس کو اس قدر عالمگیر عزت اور قبولیت حاصل ہو...... روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ اس زمانے سے جس کا تصور نا ممکن ہے عرب کے تمام حصوں سے حج کا مرکز رہا ہے۔ یمن اور حضرموت سے خلیج فارس کے کناروں سے شام کے صحراؤں اور حیرا اور عراق عرب کے گردنواح سے ہر سال لوگ جوق در جوق مکہ میں جمع ہوتے تھے۔ اس قدر وسیع پیمانہ پر اس گھر کی عزت و رلت اور اس کی مقبولیت کی ابتداء یقیناً نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

حج کے بڑے بڑے خدّوخال کی ابتداء حضرات ابراہیمؑ کے زمانہ سے

میورؔ صرف کعبہ ہی کی قدامت کا معترف نہیں بلکہ "مذہب مکہ کے بڑے بڑے خدوخال" کے لئے یہی نہایت قدیم زمانہ تجویز کرتا ہے جس سے بالبداہت مراسم حج مراد ہیں۔ فی الواقعہ جیسا کہ میورؔ نے لکھا ہے نواحی مکہ کا تقدس اور اس کا مرکز حج ہونا قبل از تاریخ زمانہ چلا آتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی یادداشت یا روایت نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کی ترویج کسی تاریخی یادداشت کے زمانہ میں ہوئی۔ حج کی بعض مراسم بے شک حضرت ابراہیمؑ سے تعلق رکھتی ہیں سعی کی رسم (یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا) جو حضرت ہاجرہ کی یادگار میں ہے۔ جبکہ آپ اپنے پیارے بچے اسمٰعیل کے لئے پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر بھاگتی تھیں یا قربانی کی رسم جو حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ کی یادگار ہے جب آپ یہ سمجھ کر کہ خدا نے اسمٰعیل کی قربانی کا حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے لئے کمربستہ ہو گئے البتہ طواف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے بھی قبل سے چلا آرہا ہے لیکن حج کے تمام بڑے بڑے خدوخال یا اس کے ارکان جو حضرت نبی کریم صلعم کی بعثت کے وقت موجود تھے وہ حضرت ابراہیمؑ کی سنت پر ہی مبنی ہے بہر حال حج کے متعلق یہی روایات دائر و سائر تھیں اور یہی دستور العمل مروج تھا اور قرآن مجید کا حکم بھی یہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو دیا گیا:۔

وإذ بوّأنا لابراهيم مكان البيت ان لاتشرك بى شيئاوّ طهر بيتى للطا ئفين والقائمين والركع السجوده (سورۃ الحج ۲۶-۲۷)

اور جب ابراہیم کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کر۔

بناءً علیہ حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کو از سرِ نو صرف تعمیر ہی نہیں کیا اور اس کو صرف بتوں سے ہی پاک صاف نہیں کیا بلکہ حج اور اس کے تمام ارکان کا بھی حکم دیا جو خدا تعالےٰ کی وحی پر مبنی تھے ایک دوسری جگہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کی اس دُعا کا ذکر آتا ہے:۔

وارنا مناسكنا (سورۃ البقرہ ۱۲۸) اور ہمیں عبادت کے طریقے بتائیو عبادت کے طریقوں کے لئے عربی لفظ مناسک ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جو تمام ذخیرۂ احادیث میں اعمال حج کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کو خدا کی وحی نے ہی ہدایت کی تھی کہ وہ ان اعمال

کو اختیار کریں۔

حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اعمال حج میں یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ کعبہ اور حج کے دوسرے مقامات پر بُت رکھ دیئے گئے تھے۔ اسی طرح سے دو بُت اساف اور نائیلہ علی الترتیب صفا اور مروہ پر رکھے ہوئے تھے۔ خود خانہ کعبہ کے اندر ۳۶۰ بُت رکھے ہوئے تھے۔ فتح مکہ پر ان تمام بتوں کو حضرت نبی کریم ﷺ نے باہر پھینکوا دیا تھا۔ بعض دوسری چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ مثلاً قریش اور کنانہ جو اپنی طاقت اور شدت کے نشان کے طور پر اپنے آپ کو حمس کہتے تھے مزدلفہ میں ٹھہرے رہتے تھے۔ اور دوسرے حاجیوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں جانا باعث ہتک سمجھتے تھے۔ اس قسم کا امتیاز زیادہ طاقتور قبائل کی طرف سے یا لبداہت ایک نئی اختراع تھی اور چونکہ اسلام ایسے طبقاتی امتیازات کا حامی نہیں اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی دوسروں کے ہمراہ عرفات کے میدان میں جایا کریں اور تبدیلی یہ عمل میں لائی گئی کہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے برہنہ ہونے کی قبیح رسم کو روک دیا گیا (بخاری۔ کتاب المناسک) ایک حدیث میں آتا ہے کہ قبل اسلام لوگ مزدلفہ سے جہاں رات بسر کی جاتی تھی جب تک سورج کو خوب چمکتا ہوا نہ دیکھ لیں روانہ نہیں ہوتے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس طریق کو بھی منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پیشتر ہی مزدلفہ سے روانگی شروع کر دیں ہو سکتا ہے کہ مشرکین عرب کا یہ عمل کسی نہ کسی رنگ میں سورج کی پرستش سے تعلق رکھتا ہو اور تبدیلی کا مقصد یہ ہو کہ سورج کی پرستش کی تمام نہ رسوم کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی غرض حجاج کو آسانی بہم پہنچانا تھا تا کہ وہ نماز فجر ادا کرنے کا معاً بعد روانہ ہو سکیں کیونکہ سفر کے لئے یہ وقت زیادہ موزوں ہوتا ہے اور انسان دھوپ کی تکلیف سے بچ جاتا ہے اور عرفات سے غروب آفتاب تک کوچ ملتوی کر دینے میں بھی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔

حجر الاسود

حجر الاسود کی کچھ کیفیت اس سے پہلے کعبہ کی تاریخ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اور طواف کے عنوان کے ماتحت بھی اس کا ذکر کیا گیا تھا کہ حاجی لوگ طواف کرتے ہوئے جب اس کے پاس سے گذرتے ہیں تو اس کو بوسہ دیتے ہیں۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے کنایتاً اس بات کا پتہ لگ سکے کہ یہ پتھر کہاں سے آیا اور کب وہاں رکھا گیا۔ لیکن چونکہ یہ اسلام سے پہلے موجود تھا اور اس کو بوسہ بھی دیا جاتا تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ یہ کم از کم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے وہاں چلا آتا ہے کیونکہ حج کے بڑے بڑے خدو خال اسی بزرگ قوم سے شروع ہوئے ہیں۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ اگر چہ اسلام سے پہلے کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ تاہم قبل اسلام کے عربوں نے کبھی اس کو بُت نہیں سمجھا نہ ہی کعبہ کے بتوں کی طرح کبھی اس کی پرستش کی اس امر کے پیش نظر کہ حجر الاسود کی طواف کی حالت میں بوسہ دینے کی رسم کو قائم رکھا گیا ہے مغربی نکتہ چینوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اسلام نے اپنے سے پہلے کی بُت پرستی کی باقیات کو قائم رکھا ہے۔ اور اس قسم کے بھی معترضین پائے جاتے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ کعبہ کا طواف ایک بُت پرستانہ فعل ہے۔ لیکن واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ تمام اعتراضات لغو اور بے ہودہ ہیں۔ ان بیشمار چیزوں میں جن کو قبل از اسلام کے عرب معبود مانتے تھے صرف خانہ کعبہ اور حجر الاسود ہی دو ممتاز مستثنیات ہیں۔ باوجود اس امر کے کہ اسلام سے قبل ان دونوں کی محبت اور عظمت ان کے دل و دماغ میں بڑی شدت سے جاگزین تھی۔ کعبہ کو بیت اللہ یا خدا کا گھر کہا جاتا تھا اور اُن میں یہ عقیدہ دائرہ سائر تھا کہ کوئی دشمن اس کو تباہ و برباد نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی تو لوگ ارد گرد کی پہاڑیوں پر چڑھ گئے۔ اور انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اور جب ابرہہ نے عبدالمطلب سے پوچھا کہ تم کعبہ کو گزند نہ پہنچانے کے لئے مجھ سے کیوں درخواست نہیں کرتے تو انہوں نے جواب دیا کہ کعبہ خدا کا گھر ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ لیکن باوجود اس قدر عزت و عظمت کے کعبہ کی کبھی پرستش نہیں کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے اندر بُت رکھے ہوئے تھے۔ مگر یہ صرف بُت ہی تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی کعبہ کی نہیں اور یہی بات حجر الاسود پر صادق آتی ہے۔ اس کو بوسہ دیا جاتا تھا مگر اس کو معبود کبھی نہیں مانا گیا۔ اگر چہ عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ ناتراشیدہ پتھروں اور درختوں اور ریت کے تودوں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کا تو ذکر ہی کیا عام مسلمان بت پرستی کے اس قدر مخالف تھے کہ جب انہوں نے صفا اور مروہ پر علی الترتیب دو

بُت اُساف اور نائیلہ دیکھے تو انہوں نے سعی کرنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی :۔

ان الصفا والمروة من شعآئر الله ج فمن حج البيت اواعتمر فلا جناح عليه ايطوف بهما۔ (سورہ البقرہ ۱۵۸)

صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سی ہیں پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔

اس آیت میں جو الفاظ **فلا جناح عليه** (ان پر کوئی گناہ نہیں) آئے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان خیال کرتے تھے کہ ایسی جگہوں کا طواف کرنا...... جہاں بُت رکھے ہوں معصیت ہے۔ بظاہر کعبہ کے متعلق انہیں یہ شبہات نہ تھے کیونکہ کعبہ کے بت عمارت کے اندر بند تھے۔ صفا اور مروہ کے بُت صاف نظر ہی نہیں آتے تھے بلکہ حاجی ان کو چھوتے بھی نہ تھے۔ مسلمان بت پرستی سے اس قدر متنفر تھے کہ وہ اپنی مذہبی عبادات کے ساتھ بتوں کے تعلق کے خیال کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے...... وہ کعبہ اور حجر الاسود کی پرستش کا خیال بھی دل میں کس طرح لا سکتے تھے جن کی بت پرستوں نے بھی کبھی پرستش نہ کی تھی۔ اگر طواف کعبہ اور حجر الاسود کے بوسہ دینے میں بت پرستی کا ذرا سا شائبہ بھی ہوتا تو مسلمان اس عمل کے قریب بھی نہ پھٹکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر جب مدینہ جا کر انہیں یروشلم کو قبلہ بناتے ہوئے مکہ کی طرف پیٹھ بھی کرنی پڑی تو انہوں نے اس میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اور ابھی ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے کعبہ کا طواف ایک اونٹ پر سواری کر کے کیا اور آپ نے حجر الاسود کو اپنی لاٹھی سے چھوا جو آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس قسم کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمان ان چیزوں کی پرستش کا خیال بھی کبھی دل میں نہیں لائے۔ اور نہ ان کی طرف کبھی انکا ایسا رجحان دیکھا گیا جو ایک پوجاری کو اپنی پوجا کی چیزوں کی طرف ہوتا ہے اور صرف حجر الاسود ہی کو بوسہ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے حجر الاسود کو بھی جو مشرقی کونہ میں ہے اور یمنی کونہ کو بھی دونوں کو بوسہ دیا ہے۔ اور بعض صحابہ کعبہ کے چاروں کونوں کو بوسہ دیتے تھے۔

طواف کعبہ کے نیچے کیا حقیقت پنہاں ہے

یہ کہنا کہ کعبہ کا طواف بت پرستی کا بقیہ ہے کھینچا تانی کر کے بت پرستی کے ایسے معنی کرنا ہے جو کبھی نہیں کئے گئے۔ کسی چیز کا جو متبرک سمجھی جاتی ہو طواف کرنا بنی اسرائیل کی تاریخ میں پایا جاتا ہے :۔

”جہاں کہ قربان گاہ کے ارد گرد پہلے چھ دنوں میں ایک مرتبہ اور بعض اوقات ساتویں دن طواف کیا جاتا ہے“ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مضمون طواف)

مگر کسی معترض نے یہ نہیں کہا کہ بنی اسرائیل قربان گاہ (ایضاً) کی پرستش کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں بت پرستی کا خیال مسلمان کے دل میں گذر ہی کیونکر سکتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو خدائے واحد و یکتا کی حضوری میں محسوس کرتا اور زبان سے باآواز بلند پکارتا ہے :۔

لبيك اللهم لبيك لاشريك لك لبيك میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں تیرے حضور ہی حاضر ہوں۔

اس وقت سے جبکہ وہ ابھی مکہ سے کوسوں دور ہوتا ہے اس وقت تک جبکہ وہ اس مقدس سرزمین کو چھوڑتا ہے ایک اور صرف ایک ہی جملہ اس کی زبان پر ہوتا ہے اور ایک اور صرف ایک ہی خیال اس کے قلب کے اندر موجزن ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے قدوس کا کوئی شریک نہیں کوئی اس کا ہمسر نہیں ایسی حالت میں بت پرستی کا خیال اس کے دل میں کیونکر گذر سکتا ہے۔ اور خود طواف کیا چیز ہے ؟ یہ اس مقدس گھر کے ارد گرد گھومنے کا نام ہے جو توحید باری تعالیٰ کی ایک خارجی علامت ہے۔ وہ مقام جہاں سے خدائے قدوس کی توحید کا چشمہ پھوٹا۔ وہ مقام جو رہتی دنیا تک علمبرداران توحید کا مرکز و مامن رہے گا اس جگہ زائرین بیت اللہ کی تمام تر توجہ صرف ایک ہی مرکز پر مرتکز اور ایک ہی نقطہ پر مجتمع رہتی ہے اور وہ خدائے ذوالجلال کی وحدانیت ہے۔ اس وقت ان کے لوح قلب سے سب خیالات اور تصورات محو ہو جاتے ہیں۔ اور خدا صرف ایک خدا کی یاد ان کے دل و دماغ پر مستولی ہوتی ہے۔ وہ اپنی ہستی کو بھی بھول جاتے ہیں اور صرف خدائے ذوالجلال کی ہستی ہی ان کے چاروں طرف جلوہ گر اور لمعہ فگن رہتی ہے۔ یہ ہے طواف کعبہ۔

حجر الاسود کو بوسہ دینے کی حقیقت

یہ امر کہ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا ایک تاریخی واقعہ ہے اور یہ امر کہ جس زمانہ سے کعبہ کا وجود علم میں آیا ہے۔ اسی زمانہ سے حجر الاسود بھی وہاں موجود ہے۔ اس میں ذرہ بھر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ بات کہ یہ پتھر بہشت سے بھیجا گیا تھا اور یہ امر کہ دراصل یہ سفید ہوتا تھا مگر لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو گیا اس کے متعلق کوئی ثقہ حدیث نہیں پائی جاتی۔ حجر الاسود درحقیقت کعبہ کے کونے کا پتھر ہے۔ ﴿بقیہ صفحہ ۲۴ کالم ۲ پر﴾

تہوارِ اسلام میں عیدالاضحیٰ (احکام و مسائل)

عیدالاضحیٰ اسلام میں ان دو بڑے تہواروں میں سے ایک ہے جس کو مذہبی سند حاصل ہے اس میں دو رکعت نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور اس کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے۔ عید کے معنی بار بار آنے والی خوشی اور اضحیٰ اضحات کی جمع ہے جس کے معنی قربانی کے ہیں عیدالاضحیٰ کی تیاری عیدالفطر اور نماز جمعہ کی تیاری سے ملتی جلتی ہے۔ ہر مسلمان کو اس دن غسل کرنا چاہئے۔ بہترین لباس پہننا اور خوشبو لگانی چاہئے اور صفائی ستھرائی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے عید کا اجتماع کسی کھلی جگہ میں زیادہ مستحسن ہے اگر کھلی جگہ میں نہ ہو تو مسجد استعمال کی جاسکتی ہے نماز عید کے لئے اذان نہیں دی جاتی اور نہ اقامت پڑھی جاتی ہے خواتین کو نماز عید کے موقعہ پر حاضر ہونے کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے عید کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد دوپہر تک ہے۔

نماز عیدین : دونوں عیدوں کی نماز دو دو رکعت باجماعت پڑھی جاتی ہیں امام نماز جمعہ کی طرح سورہ فاتحہ اور قرآن کا کوئی ایک حصہ بلند آواز سے پڑھتا ہے نماز عیدین میں متعدد اور تکبیریں کہی جاتی ہیں علاوہ ان تکبیروں کے جو ہیئتوں کی تبدیلی پر بولی جاتی ہیں ثقہ ترین سند کی بناء پر ان زائد تکبیروں کی تعداد سورہ فاتحہ سے پہلے سات تکبیریں پہلی رکعت میں اور پانچ تکبیریں دوسری رکعت میں کہی جاتی ہے۔ امام ان تکبیروں کو آواز بلند پکارتا ہے اور ہر تکبیر پر اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھاتا ہے اور پھر چھوڑ دیتا ہے۔ مقتدی بھی اسی طرح اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور چھوڑ دیتے ہیں۔

عید کا خطبہ : عید کا خطبہ نماز ختم ہونے کے بعد دیا جاتا ہے خطبہ کا طریق اور اس کا مضمون خطبۂ جمعہ کی طرح ہوتا ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ خطبہ جمعہ میں امام دوران خطبہ ایک دفعہ بیٹھ کر پھر خطبہ دیتا ہے۔ لیکن عید کے خطبہ کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ حضرت نبی کریم کا طریق یہ تھا کہ آپ مستورات کو الگ خطاب فرماتے تھے اور انہیں حکم تھا کہ وہ سب شریک اجتماع ہوں خواہ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔

عید کے صدقات : عیدالاضحیٰ کا تہوار بھی صدقہ و خیرات کا بڑا موقع فراہم کرتا ہے اس دن ایک جانور کی قربانی قوم کے غرباء کو اس تہوار کے منانے کے لئے صرف گوشت کی ضیافت ہی مہیا نہیں کرتی بلکہ اگر قربانی کے جانور کی کھالوں سے فائدہ اٹھایا جائے تو اس سے غرباء کی حالت کو سدھارنے یا قوم کی بھلائی کے کاموں کے لئے قومی فنڈ بہت مضبوط ہو سکتا ہے۔

جن مقامات میں قربانی کا گوشت آبادی کی ضرورت سے زیادہ ہو جائے اس خشک کر کے فروخت کیا جاسکتا ہے اور جو آمد اس طرح سے حاصل ہو اسے رفاہ عام کے کاموں میں لگایا جاسکتا ہے مقام افسوس ہے کہ مکہ معظمہ میں زائد گوشت کسی مصرف میں لانے کے بجائے دفن کر دیا جاتا ہے۔ اسلام انسان کے قدرتی ذرائع کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اس نے اپنے تمام صدقات و خیرات کو ایسے طریق پر منظم کیا ہے کہ وہ بہترین مصرف میں لگائے جاسکتے ہیں۔

علاوہ ان صدقات کے جو عیدین کے لئے فرض قرار دئے گئے ہیں حضرت نبی کریم ﷺ عید کے خطبہ میں لوگوں کو قومی امور کے لئے جو کچھ وہ بطیب خاطر دے سکیں دینے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور ایسے موقعوں پر خواتین کی طرف زیورات دئے جانے کا ذکر حدیث میں آتا ہے اگر حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات گرامی کی صدق دل سے تعمیل کی جائے تو اسلام کے عیدین کے دو تہوار قومی فنڈز کو مضبوط بنانے اور غرباء کی امداد کے لئے نہایت موزوں مواقع ہیں۔

قربانی : عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر ہر ایک مسلمان جس کو مقدرت ہو ایک جانور کی قربانی کرتا ہے بکری یا بھیڑ کی صورت میں ایک گھر کے کنبہ کے لئے ایک جانور کفایت کرتا ہے گائے میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں۔ قربانی نماز عید کے بعد کی جاتی ہے قربانی یا تو عید کے دن یا اس کے بعد دو یا تین دن کے اندر کی جاسکتی ہے ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے اور یہ وہ دن ہوتے ہیں جب حاجی مِنا میں قیام کرتے ہیں مگر دو دن کی میعاد زیادہ قابل ترجیح ہے کیوں کہ حاجیوں کو دو دن کے بعد جانے کی اجازت ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **فمن تعجل فی یومین فلااثم علیه ومن تاخر فلااثم علیه** (سورۃ البقرہ ۲۰۳) پھر جو کوئی جلدی کر کے دو دن میں چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی پیچھے رہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ قربانی کا جانور اچھا پلا ہوا پوری عمر (مسنہ) اور جسمانی عیب سے پاک صاف ہونا چاہئے بکرا یا بھیڑ ایک سال اور گائے، بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا چاہئے۔ قربانی کے گوشت کے متعلق قرآن مجید کا فرمان ہے :۔

فکلو امنها واطعمو القانع والمعتر (سورۃ الحج ۳۶) ”ان سے کھاؤ اور سوال نہ کرنے والے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ“

CHAUDHVIN SADI (URDU MONTHLY)
L.25-A DILSHAD GARDEN DELHI - 110095 PHONE :- 2296616
VOL - 1, ISSUE 12,13 FEBRUARY, MARCH 2001

اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ گوشت خشک کر کے فروخت کیا جائے اور اس کی آمد غرباء پر صرف کی جائے۔ یہ خیال کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ عرصہ تک ذخیرہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی تین دن کے بعد کھانا چاہئے۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی حدیث کے خلاف ہے جو اس طرح سے بیان کی جاتی ہے۔ "جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی قربانیوں کا گوشت منا کے تین دنوں سے زیادہ نہیں کھایا کرتے تھے حضرت نبی کریم ﷺ نے ہمیں تین دن کے بعد بھی اس کو کھانے کی اجازت دی اور فرمایا" اسے کھاؤ اور بطور زادِراہ بھی لے لو۔" اس پر ہم نے خود بھی کھایا اور اسے زادراہ بھی بنایا۔ (بخاری کتاب المناسک)

کیا قربانی کی بجائے صدقہ دیا جاسکتا ہے: ایک سطحی دماغ یہی خیال کرسکتا ہے کہ قربانی کا مقصد خیرات وصدقہ سے زائد کچھ نہیں اور اکثر اوقات یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ایک مسلمان بجائے ایک جانور کی قربانی کے اس کی قیمت صدقہ میں نہیں دے سکتا؟ اس کا جواب میں نفی میں ہوگا۔ عیدالاضحیٰ کی تقریب سعید پر مسلمانانِ عالم کا قربانیاں کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں اور مرکز اسلام مکہ معظمہ کے بے نظیر اجتماع میں جمع ہونے والوں کے قلوب ایک ہی جذبہ سے سرشار اور ایک ہی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ اس دن ہزاروں لاکھوں انسان زندگی کے تمام عیش و آرام کو ترک کر کے دنیا کے مختلف حصوں سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جن کا مطمح نظر صرف قربانی کے جذبہ کو پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ یہ ایسی بے نظیر قربانی ہے جس میں نفس کا ذرہ بھر شائبہ نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی ذاتی منفعت حتیٰ کہ کوئی غرض بھی مدنظر نہیں بلکہ یہ خالصاً لوجہ اللہ ہو اگرچہ فی نفسہ یہ ایک بہت بڑا اقدام ہے۔ لیکن اس کی عظمت کو یہ امر اور بھی چار چاند لگا دیتا ہے۔ کہ جو لوگ حقیقتاً اس عدیم النظیر قربانی میں حصہ لینے سے معذور رہے ان کے دل میں بھی وہی تڑپ موجود ہے۔ اور ایک جانور کی قربانی کے ظاہری فعل سے حج کا آخری رُکن ہے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس عظیم الشان قربانی کے لئے ہمہ تن حاضر ہیں۔ ایک ہی جذبہ تمام دنیائے اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی وقت میں حرکت میں لے آتا ہے اور یہ صرف قربانی کے نظام کا نتیجہ ہے جس کے سُرخ حروف خواندہ اور ناخواندہ سب یکساں طور پر پڑھ سکتے ہیں۔ یہ امر کہ اس نظام سے خیرات کا مقصد بھی پورا ہونا چاہئے ایک الگ چیز ہے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ امراء تہوار کی خوشی کے موقعہ پر اپنے غریب بھائیوں کو بھول جائیں۔ لیکن حج یا عید کے موقعہ پر قربانی کا اصل مقصد صدقہ یا خیرات نہیں ہے اس لئے کوئی صدقہ یا خیرات قربانی کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ ☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۲۲ کالم ۲ کا﴾

اور وہاں وہ بطور ایک علامت کے نصب ہے۔ یہ نشان ہے اس بات کا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کا وہ حصہ جس کو اسرائیلیوں نے رد کردیا تھا وہ خدا کی بادشاہت کے کونے کا پتھر بننے والا تھا۔ زبور میں اس کے متعلق صریح حوالہ موجود ہے۔

"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا"

اسمٰعیلؑ کو رد شدہ قرار دے دیا گیا اور خدا کا عہد صرف اسحاق کی اولاد کے لئے ہی مخصوص سمجھا گیا۔ یہ یہودی نقطہ نگاہ تھا۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے قریب چھوڑ دیا تھا۔ اور پھر جب کہ اسحاقؑ کی اولاد میں نبی کے بعد نبی آتے رہے اور کوئی نبی اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے نہ ہوا تو یہودی نقطہ نگاہ کہ اسمٰعیلؑ رد شدہ تھا زیادہ مضبوط ہو گیا۔ لیکن اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہی آخری نبی جو داؤدؑ کی زبان میں کونے کے سرے کا پتھر ہے ظاہر ہونے والا تھا اور حجر الاسود جہاں کہیں سے بھی وہ لایا گیا کعبہ کے کونے کے پتھر کے طور پر رکھا گیا تاکہ اس حقیقت کے لئے ایک نشانی ہو کہ رّد شدہ اسمٰعیلی ہی خدا کی بادشاہت کے حقیقی وارث ہیں۔ اور جہاں داؤدؑ نے اس کو معماروں کا رّد شدہ پتھر قرار دیا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنی باغبان والی تمثیل میں اور بھی وضاحت کر دی اور بنی اسرائیل پر واضح کیا کہ تاکستان جس سے تمثیل میں خدا کی بادشاہت مراد ہے ان سے لے لیا جائے گا اور اس کو دوسرے باغبانوں یعنی غیر اسرائیلیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ فرماتے ہیں:۔ "کیا تم نے کتاب مقدّس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رّد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا"۔

پھر اس سے اگلی آیت میں فرماتے ہیں:۔ "اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے، دیدی جائے گی"

یہ امر کہ پیشگوئی میں رد کردہ پتھر سے مراد رد کردہ قوم ہے۔ حضرت مسیح نے صاف کر دیا ہے اور یہ بات کہ رد کردہ قوم بنی اسمٰعیلؑ ہی تھے تاریخ سے ثابت ہو چکی ہے۔ اور ساری دنیا میں صرف یہی ایک ناتراشیدہ پتھر ہے جو بقول دانیال نبی ہاتھ لگائے بغیر پہاڑ سے کاٹا گیا۔" یہی پتھر ایک ایسی عمارت کے کونے کا پتھر ہے جو اپنی عظمت واہمیت کے لحاظ سے دنیا میں نظیر نہیں رکھتی۔

☆☆☆

Printer, Publisher, Mumtaz Alam Printed at Harsha Process & Printers H-12, Mansrover Park Shahdra Delhi
Punblished From L/25A, Dilshad Garden Delhi-110095, Editor Mumtaz Alam Code : 011 Tel:- 2296616